مدیر سمیع الحق

★

بدل اشتراک پاکستان میں سالانہ ۔/۲۵ روپے ۔ فی پرچہ ۔/۲.۵ روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
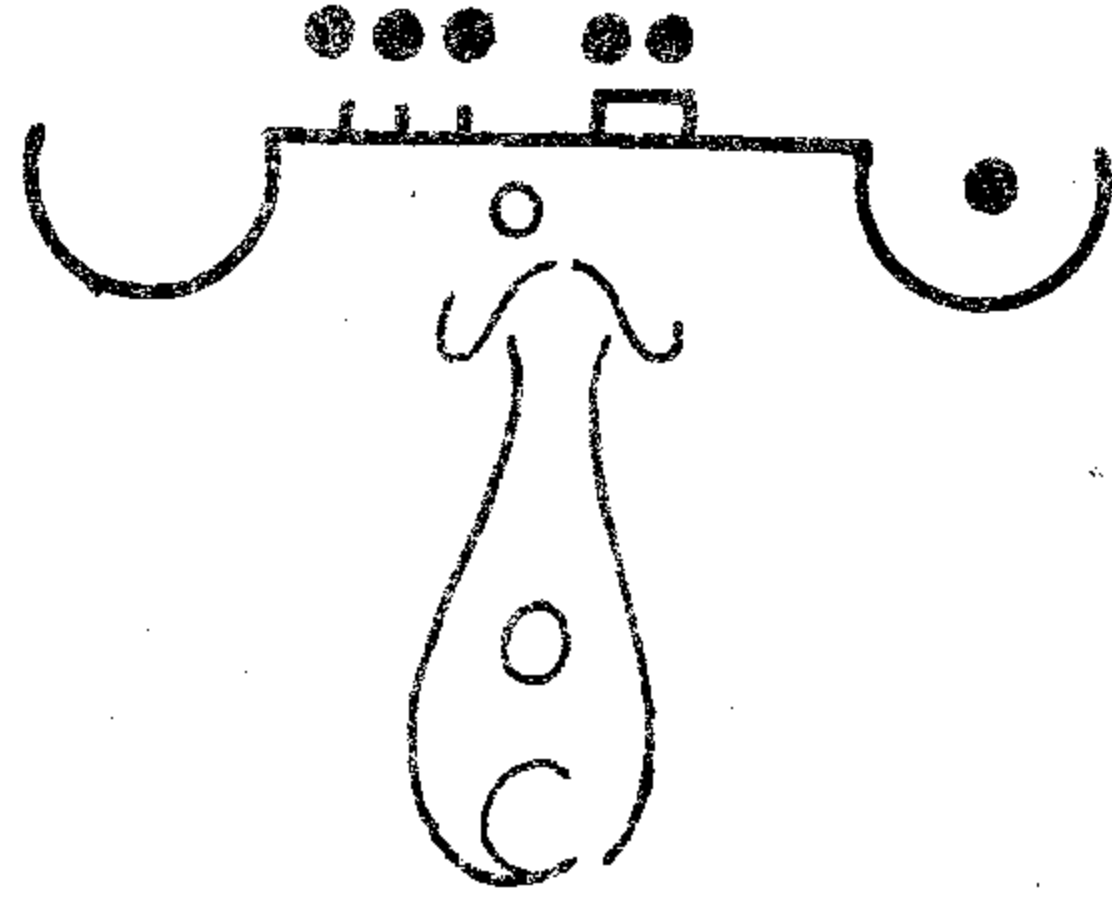
قومی کمیٹی برائے دینی مدارس کی رپورٹ

صدر پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کی خدمت میں ان کی مقرر کردہ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس نے اپنی رپورٹ ۷ دسمبر کی سہ پہر کو ایوان صدر میں پیش کی جسے کمیٹی نے ملک کے مختلف حصوں میں منعقد کردہ اپنے اجلاسوں میں طویل غور و خوض کے بعد مرتب کیا تھا سوا دوسو صفحات کی اس رپورٹ میں دینی مدارس کے تاریخی پس منظر اور ان کی موجودہ کیفیت کے علاوہ مروجہ نصاب تعلیم کو عصری علوم و فنون سے ہم آہنگ کرنے اور پرائمری، میٹرک، بی اے، ایم اے کے مطابق درجہ بندی کرنے کی سفارشات مرتب کی گئی ہیں۔ نظام مدارس کے سلسلہ میں ایک قومی ادارہ برائے دینی مدارس کی ہیئت تشکیلی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جو امتحانات اور سندات کا بھی نظم کرے۔ آٹھویں باب میں مدارس کی بہتری و بہبود اور اساتذہ و طلبہ کی مراعات کے سلسلہ میں تجاویز اور سفارشات پیش کی گئیں ہیں۔ ۲۷ ارکان کی یہ کمیٹی جدید تعلیم گاہوں کے دانشوروں کے علاوہ ملک کے تمام مکاتب فکر، دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ حضرات کے نمائندوں پر مشتمل تھی، اور رپورٹ مرتب کرتے وقت ہر ہر مرحلہ پر کھلے دل سے تمام ارکان نے متعلقہ مسائل پر تبادلہ خیال کیا۔

راقم الحروف بھی اس کمیٹی کا نامزد رکن تھا اور مجموعی طور پر صدر پاکستان کے اس خیر خواہانہ جذبہ کی تحسین کرتے ہوئے آخر وقت تک اس موقف کا حامی رہا کہ یہ مدارس عربیہ جو موجودہ شکل میں اسلام کے آخری قلعے اور پناہ گاہ ہیں اپنے نصاب اور نظام تعلیم مالی ذرائع و وسائل کی حد تک کسی بھی حکومت کے عمل دخل سے مکمل آزاد رہیں اور اسی شیوۂ زہد و درویشی اور سرمایۂ توکل و انابت سے خدمت دین میں مشغول رہیں۔ بحمد اللہ کمیٹی کے بہت سے ارکان بالخصوص مسلک دیوبند کے نمائندہ حضرات اور ملک کے اکثر و بیشتر اہل علم وارباب مدارس بھی اسی قلندرانہ روش کے حامی رہے۔ نصاب کے سلسلہ میں ہماری بھرپور سعی رہی کہ عصری علوم اور مضامین

شامل کرتے وقت اسلامی علوم اور درسِ نظامی کے مروّجہ فنون اور کتب میں تخفیف نہ ہو تاکہ علمی استعداد و رسوخ اور درسِ نظامی کی عبقریت سطحیت سے نہ بدل جائے۔ اور بحمد اللہ نصاب کی حد تک ہماری سعی کامیابی سے ہمکنار ہوگئی۔ یہ الگ بات ہے کہ موجودہ مجوزّہ نصاب کے تقریباً ڈبل ہوجانے کی وجہ سے طلبہ اس کا تحمل کرسکیں گے یا نہیں اور بصورتِ دیگر علمی لحاظ سے اس سے کیا نتائج برآمد ہوں گے، نظامِ تعلیم کو بورڈ کی شکل میں چلانے کے سلسلہ میں ناچیز اور کمیٹی کے دوسرے ارکان (جن کا تعلق دیوبندی مکتبِ فکر سے تھا۔) نے اس امر کی بھی بھرپور سعی کی کہ مدارسِ عربیہ اپنے انتظام کی شکل میں حکومتی عمل دخل سے ہر لحاظ سے آزاد رہیں۔ اسی بناء پر رپورٹ کے مجوّزہ قومی بورڈ سے ہم لوگوں نے اختلاف کیا اور متبادل طور پر جس آزاد قومی بورڈ کی تجویز کمیٹی کے سامنے رکھی اسے کمیٹی کی اکثریت نے تو قبول نہ کیا مگر آخرکار چاروناچار اس تجویز کو رپورٹ کے آخر میں اختلافی نوٹ کی بجائے وضاحتی نوٹ کے نام سے شامل کرلیا گیا۔ اس نوٹ کا خلاصہ یہ تھا کہ :۔

”علومِ عالیہ پڑھانے والے مدارس کے نمائندوں سے ایک مجلسِ شوریٰ تشکیل ہو جو اپنے میں سے قومی بورڈ تشکیل دے اور یہ ادارہ کسی بھی وزارت یا سرکاری محکمہ کے ماتحت نہ ہو صرف مجلسِ شوریٰ کے سامنے جوابدہ ہو۔ اس ادارہ کے اخراجات بھی مدارس ہی پورے کریں۔ یہ ادارہ مدارس کے مجوزہ نصاب ہائے تعلیم میں رد و بدل اور امتحانات میں حسبِ ضرورت جدید مضامین شامل کرنے کا مجاز ہوگا۔ یہ ادارہ خود ایسے دو ماہرینِ علومِ جدیدہ کا انتخاب کرے گا۔ جو جدید علوم کے ماہر ہونے کے علاوہ مدارسِ دینیہ کے لئے موزوں ہوں یہی ادارہ امتحانات اور اجراء اسناد کا بھی مجاز ہوگا اور یہی ادارہ اسناد تسلیم کرانے اور فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کے حقوق و مراعات کے سلسلہ میں حکومت سے سلسلہ جنبانی کرتا رہے گا۔“

اس متبادل اختلافی یا وضاحتی تجویز پر مولانا محمد ادریس میرٹھی کراچی، مولانا محمد شریف کشمیری ملتان، مولانا عبید اللہ صاحب لاہور اور ناچیز نے دستخط کئے اور اسے رپورٹ میں شامل کرایا گیا کہ اس پر عملدرآمد کی صورت میں صدرِ پاکستان اور حکومت کو مدارس کے فلاح و بہبود کے سلسلہ میں اپنے مخلصانہ جذباتِ خیر کی تکمیل کا موقعہ بھی مل سکے گا اور مدارسِ دینیہ کی آزادی و حریت اور دینی تعلیم کی شانِ بے نیازی پر بھی کوئی قدغن نہ آسکے گا۔

---

۱۷ دسمبر کو پوری کمیٹی کی موجودگی میں صدرِ پاکستان کو رپورٹ پیش کرنے کا موقعہ آیا تو خوش آئند توقعات اور امیدوں کے ساتھ اندیشوں اور فکرمندیوں نے بھی دلوں کو گھیر رکھا تھا کہ خدانخواستہ اخلاص و محبت پر مبنی حکومت کا یہ جذبۂ خیر آگے چل کر کہیں ان مدارس کے لئے دینی لحاظ سے شر کا باعث ثابت نہ ہو وہ مدارس جس کی تاسیس و تعمیر میں دو سو برس کے اہل اللہ اولیاء اللہ، علماء حق اور صالحینِ امت کی سحرگاہی دعائیں، نیم شبی

کی آہیں اور شب و روز کے سعی و عمل شامل ہیں۔

—— چنانچہ رپورٹ پیش کر دینے کے بعد بھی محترم صدر پاکستان کو ان خدشات اور اندیشوں سے زبانی نہیں بلکہ تحریری طور پر آگاہ کرنا ضروری سمجھ لیا گیا۔ ملاقات میں ہر مکتب فکر کے نمائندوں نے تحریری تاثرات بھی پڑھ کر سنائے احقر نے رواروی میں حسب ذیل تحریر لکھی جسے ہم سب کے اتفاق سے مولانا عبیداللہ صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور نے مجلس میں پڑھ کر سنایا جس کا اہم حصہ یہ ہے۔

" جناب صدر! اس رپورٹ کی مقبولیت اور نفاذ کے وقت اس امر کا خصوصی خیال رکھیں کہ دینی مدارس کی آزادی حریت اور تشخص کسی طور مجروح نہ ہو، سکول کالجوں کے قومیانے کا تجربہ اور اس کے نتائج سب کے سامنے ہیں علمائے دین کا منصب بھی اس کا متقاضی ہے کہ انہیں آزادی کے ساتھ دین کی خدمت کا موقع دیا جائے، دینی مدارس کے نظام کو چلانے اور امتحانات کے انعقاد کیلئے جو بورڈ تشکیل پائے اس میں اس کا پورا با اختیار ہونا ازلس ضروری ہے جسکی ہیئت تشکیلی کے بارہ میں ہم نے رپورٹ کے آخر میں ایک وضاحتی نوٹ کی شکل میں رائے ظاہر کر دی ہے جو آپ کی خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ نیز اصلاحی اقدامات میں جہاں مدارس کی مرضی اور آزادی ملحوظ رکھی جائے وہاں یہ بھی خیال رہے کہ عامۃ المسلمین کا ان مدارس پر جو اعتماد اور ان کے ساتھ جو تعلق اور تعاون ہے وہ بھی برقرار رہے —— جو مدارس عربیہ مالی امداد کے خواہشمند ہوں انہیں تو بیشک مدد دی جائے مگر جو مدارس ایسے کسی مدد کا تقاضا نہ کریں انہیں بخوشی امداد قبول نہ کرنے کی اجازت دی جائے۔

نیز اس مرحلہ پر جو مدارس اپنے نصاب و نظام تعلیم میں اس رپورٹ کے مجوزہ اصلاحات کو اپنانے پر آمادہ نہ ہوں تو انہیں اس پر مجبور نہ کیا جائے۔ مشرق و مغرب میں نصاب تعلیم و نظام تعلیم کے سلسلہ میں ایسے کلیات اور جامعات موجود ہیں جو اپنے نقطۂ نظر سے علمی کام کرنا چاہتے ہیں۔

الغرض ہر قدم اور ہر مرحلہ پر اس نازک ترین تجربہ میں احتیاط اور تدبّر و حکمت ملحوظ رکھی جائے تو بہتر ہو گا۔"

ہمیں خوشی ہے کہ سب حضرات کے اپنے خیالات پیش کرنے کے بعد آخر میں جناب محترم صدر پاکستان نے اپنے اختتامی کلمات میں مذکورہ گذارشات کا خاص طور سے نوٹس لیا اور اس میں اٹھائے گئے نکات پر جوابی روشنی ڈالی جسے ریکارڈ پر لانے کے لئے ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ انہیں ملحوظ رکھا جائے۔ محترم صدر پاکستان نے فرمایا:

" جو تین چار نکات اٹھائے گئے ہیں، اس کے بارہ میں عرض ہے کہ دینی مدارس کا سٹیٹس آزادانہ رہے گا حکومت کا کسی قسم کا کنٹرول یا تسلط جمانے کا ارادہ نہیں ہے۔ ان مدارس میں جائزے کے مطابق ننانوے ہزار طلبہ دینی علم حاصل کرتے ہیں۔ دینی مدارس کی یہ کارکردگی نہایت قابل تحسین ہے۔ ان مدارس کے ذرائع آمدنی پر بھی حکومت کسی کنٹرول کسی حد یا ممانعت کا ارادہ نہیں رکھتی بلکہ ارادہ دینی مدارس کو سٹینڈرڈ پر لانے کا ہے جس کا پہلا مرحلہ نصاب کو معیار

کے مطابق بنانا ہے ۔ ہم یہ جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ اپنی طاقت کے مطابق حکومت دینی مدارس کی مدد کن اطراف میں کر سکتی ہے ۔ مالی مدد یا احکام اور آرڈیننس کی شکل میں، حکومت کا تعلق اس مدد سے آپ کی ترقی کے علاوہ کوئی نہیں ۔ "

اس موقع پر احقر نے جدید عصری کالجوں اور تعلیم گاہوں کے بارہ میں ایسا ہی ایک جامع اور مفصل جائزہ بورڈ قائم کرنے کیطرف بھی توجہ دلائی جس پر اگلی فرصت میں روشنی ڈالی جائے گی ۔ ہماری دعا ہے کہ ایسا کوئی قدم نہ اٹھے اور ایسی صورتحال پیدا نہ ہو جس سے مدارسِ عربیہ کی صلابتِ فکر، دینی تصلّب، للہیت پر مبنی طریقِ کار، رسوخِ علمی، تقویٰ، زندگی، ایثار وخلوص پر حرف آئے کہ یہی تو ہمارے متاعِ علم ودین کا آخری سہارا ہیں ۔

جشنِ صد سالہ دار العلوم دیوبند

ایک عرصہ سے عالمِ اسلام کے بہت بڑے تعلیمی، دینی اور اسلامی مرکز دار العلوم دیوبند کے جشنِ صد سالہ کا غلغلہ تھا، اب الحمد للہ کہ اس عالمی تعلیمی اور ثقافتی اجتماع کے ایام قریب تر ہیں اور ان شاء اللہ ایشیا کے اس مشہور اور قدیم مرکز اسلامی دار العلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کی تقریبات کا انعقاد ۲۱ مارچ سے ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء تک عمل میں آرہا ہے ۔ اس تاریخی اجتماع کیلئے جو دعوت نامہ جاری کیا گیا ہے اس کے ان الفاظ سے اجتماع کی اہمیت پر روشنی پڑ سکتی ہے :

> " یہ اجلاس ایک ایسے وقت میں منعقد ہو رہا ہے جبکہ چودھویں صدی کا اختتام ہو رہا ہے اور پندرھویں صدی بیشمار تصفیہ طلب مسائل کو اپنے جلو میں لئے تاریخ کے دروازے پر دستک دے رہی ہے ۔ ہادیانِ قوم و رہنمایانِ ملت، محبانِ انسانیت اور مجتہدینِ امت کو اپنے علم وعمل کی قوتوں کو مجتمع بھی کرنا ہے اور منظم بھی تاکہ جدید تقاضوں اور حالات کے پیش نظر ایک ایسے لائحہ عمل کی ترتیب وتدوین کیلئے آغاز کار ہو جائے جو مستقبل کی نسلوں کو اسلاف کے علوم کا بھی امین بنائے رکھے ۔
>
> دار العلوم کا یہ اجلاس ان شاء اللہ احیائے علومِ اسلامیہ اجتماع علمائے مسلمین اور اعلائے کلمۃ اللہ کا نقیب ہونے کے ساتھ ہی اس دانش گاہ کی موجودہ نئی ذمہ داریوں کا بھی تعین کرے گا اس موقع پر اسلامی دنیا کی بھرپور نمائندگی متوقع ہے ۔ اندرون وبیرونِ ملک کی تعلیم گاہوں اور اہلِ علم علمی ودینی مراکز اور جنوب وشمال کے جملہ نمایاں مشرقی ومغربی طرزِ تعلیم کے اداروں یعنی مدارسِ اسلامیہ اور کالجوں کے نمائندہ حضرات کو بھی دعوتِ شرکت دی جا رہی ہے ۔ "

—— کئی ہزار فضلاء دارالعلوم دیوبند کی دستار بندی کے علاوہ دنیا کے اہل علم وفکر کا اجتماع بجائے خود بڑی اہمیت اور برکات کا موجب ہے، مگر مذکورہ الفاظ میں عصری حالات اور تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر جن عظیم مقاصد کی نشاندہی کی گئی ہے اس نے تو اس اجتماع کی اہمیت اور قدر وقیمت اور بھی بڑھا دی ہے۔ اور اسے عالم اسلام کی توجہات کا مرکز بنا دیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ یہ اجتماع ہر لحاظ سے ملت مسلمہ کے لئے مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی طرح سرچشمہ خیر وبرکت ثابت ہو اور امت کو درپیش عصری علمی مسائل ومباحث میں واضح لائحہ عمل کی طرف رہنمائی کرنے کا ذریعہ بھی بنے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ اگلی صدی کی تقریبات کی سب سے بڑی اور بابرکت تقریب ہو گی۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ دیگر علاقوں کی طرح پاکستان سے بھی ہزاروں شائقین علم اس اجتماع میں شرکت کے خواہشمند ہوں گے۔ مگر افسوس کہ پاسپورٹ اور ویزا کے مسائل کی وجہ سے اتنی بڑی تعداد کا غالباً جانا مشکل ہو۔ ان مشکلات اور رکاوٹوں کو دیکھ کر دارالعلوم دیوبند نے پاکستان میں اپنے فضلاء کے علاوہ بہت کم بلکہ نہایت محدود دعوت نامے جاری کئے ہیں کہ زائد تعداد میں دعوت نامے جانے والوں اور بلانے والوں دونوں کیلئے باعث زحمت ہوتے۔

بہت سے حضرات اس سلسلہ میں ماہنامہ الحق اور دارالعلوم حقانیہ سے مدد اور رہنمائی چاہتے ہیں۔ جبکہ یہاں سے اجتماع کی شکل میں کسی قافلہ اور وفد کے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ منتظمین اجلاس نے بھی مدعوین سے کہا ہے کہ انہیں پاسپورٹ اور ویزا کے سلسلہ میں خود جدوجہد کرنا ہو گی۔ ایسے حضرات جو خواہ مدعو نہ بھی ہوں اور جانا چاہیں تو سفری انتظامات اپنے طور پر مکمل کروا کر جشن صدسالہ میں شرکت کر سکتے ہیں۔ توقع ہے کہ منتظمین جشن صدسالہ ایسے پاکستانی مہمانوں کا بطیب خاطر خیر مقدم کریں گے۔ بہرصورت جو حضرات شرکت نہ بھی فرما سکیں وہ اپنے دلی جذبات محبت اور دعاؤں کے ساتھ اس اجتماع کی کامیابی کے لئے دعا فرماتے رہیں۔ انشاء اللہ اس میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں رہے گا۔ اور اس چشمہ آب زلال سے روحانی وعلمی آسودگی کا فیضان سب تک کسی نہ کسی طرح پہنچ جائے گا۔

سمیع الحق
۲۸ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ

سہ شنبہ ۵ صفر ۱۴۰۰ھ کو دارالعلوم حقانیہ کے ایک سابق ممتاز مدرس حضرت مولانا محمد شفیع اللہ صاحب فاضل دیوبند اپنے آبائی گاؤں بام خیل ضلع مردان انتقال فرما گئے۔ تدفین بھی وہیں عمل میں آئی۔ جنازہ میں سینکڑوں مسلمانوں اور علماء وصلحاء نے شرکت کی۔ مولانا مرحوم دیوبند کے جید فضلاء میں سے تھے۔ شوال ۱۳۷۹ھ سے رمضان ۱۳۹۰ھ تک یعنی تقریباً گیارہ برس تک دارالعلوم حقانیہ میں اعلیٰ علوم وفنون کی تدریس دیتے رہے۔ وجاہت وظرافت اخلاق وکردار علم وعمل ہر لحاظ سے ایک برگزیدہ استاذ تھے ان کی وفات علمی حلقوں کے لئے عموماً اور دارالعلوم حقانیہ کے لئے خصوصاً باعث غم ہے۔ حق تعالیٰ مرحوم کو بہترین اور اعلیٰ درجات سے نوازے اور ان کے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ارشادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ضبط و ترتیب : ادارہ الحق

خانہ کعبہ کا محاصرہ

۲ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۹۷۹ء
دارالحدیث دارالعلوم حقانیہ

خانہ کعبہ کے محاصرہ کے واقعہ ہائلہ کی اطلاع آنے پر دارالعلوم حقانیہ کے تمام طلبہ و اساتذہ نے دارالحدیث میں جمع ہو کر ختم کلام پاک کئے۔ دعا و تضرع والحاح کی اس تقریب میں دعا کے دوران حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے جو کلمات ارشاد فرمائے وہ قارئین الحق کی خدمت میں پیش ہیں۔ (ادارہ)

(خطبہ مسنونہ کے بعد) الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل وارسل علیھم طیراً ابابیل ترمیھم بحجارۃ من سجّیل فجعلھم کعصفٍ مأکول۔

محترم بزرگو! اگر آج ہم آنسوؤں کی جگہ قلب و جگر کا خون بہالیں تو ہمیں حق ہے، میرے خیال میں اس سے بڑھ کر صدمہ نہیں ہو سکتا جو کل دنیا کے مسلمانوں کو پہنچا ہے۔ اس دور میں جس دور میں ہم جا رہے ہیں۔ اس سے قبل بھی ایسے واقعات ہوئے ہیں۔ حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف قدم اٹھایا تو خانہ کعبہ مبارکہ زادھا اللہ شرفاً ونکریماً خالی ہو گیا۔ لیکن اس کی عداوت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کی فوج سے تھی۔ چنانچہ یہ موجودہ تعمیر بیت اللہ شریف کی تقریباً وہی تعمیر ہے جو حجاج نے کرائی تو خانہ کعبہ کی بے ادبی نہ تھا۔ وہ ایک ظالم گذرا ہے۔ مخالفین سے شدید انتقام لیتا۔ تو اُس محاصرے کا اور آج کے محاصرے کا فرق ہے۔ یہاں بیت اللہ شریف کے اندر محاصرین و مفسدین نے اپنے بموں سے اسلحہ سے مسلح ہو کر حرم شریف کو نقصان پہنچایا۔ صرف حرم شریف نہیں سارا مکہ حجاج سے بھرا ہوا ہے اور اُن وافدین بیت اللہ جو اللہ کے مہمان ہیں کو حرم شریف سے روک دیا گیا ہے۔ صحیح صورت حال اب تک شاید وہاں کی حکومت پر بھی واضح نہیں ہو سکی سعودی عرب کے مواصلات بھی منقطع ہیں۔

بیت اللہ عالم کی بقاء کا ذریعہ | محترم بزرگو! یہ تقریباً ایک ارب مسلمانوں کی موت و حیات کا سوال

ہے۔ اور صرف ایک ارب مسلمانوں کا نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کا مسئلہ ہے۔ کہ بیت اللہ اور خانہ کعبہ مبارکہ یہ شاہی خیمہ ہے، وجہ الارض پر ــــ یہ کل عالم اللہ کے عبید اور غلام ہیں، خواہ کافر ہے، خواہ مسلمان یہ سب عبید اور غلام ہیں۔ ہم سب غلام ہیں۔ اور غلام کا کام یہ ہے کہ جہاں بادشاہ خیمہ زن ہو تو اس کے اردگرد رہے، غلام اور عبید آکر دائرہ کی شکل میں اس کے گرداگرد قیام کرتے ہیں کہ یہاں بادشاہ کا خیمہ ہے۔ اور وہ خیمہ شاہی جب تک کھڑا ہو تو چاروں طرف فوج بسپاہی غلام۔ تابعدار و فرمانبردار سب موجود رہتے ہیں اور جب بادشاہ خیمہ اٹھالے اس کے لئے بادشاہ اعلان نہیں کرتے پھرتے جھنڈا لہرا رہا ہوتا ہے۔ تو لوگ دیکھ کر اپنے اپنے مقام پر موجود رہتے ہیں، کیمپ لگا رہتا ہے۔ کسی دن اٹھ کر دیکھ لیں کہ خیمہ بھی نہیں اور جھنڈا بھی نہیں لہرا رہا ہے۔ تو سب کیمپ اکھڑ جاتا ہے، سب بوریا بستر اٹھا کر چلنے لگتے ہیں۔ تو شاہی خیمہ کی موجودگی افواج کی غلامی اور ڈیوٹی پر رہنے کا سبب ہوتی ہے۔ اٹھ جاتا ہے تو اب غلام وہاں کیا کریں۔؟ سب میدان خالی ہو جاتا ہے۔ خانہ کعبہ جمال و جلال خداوندی اور تجلیاتِ خداوندی کا فیضان کا مرکز ہے۔ خانہ کعبہ پر اوپر سے تجلیاتِ ربانی کا فیضان ہوتا ہے۔ ہم اور آپ جو نمازوں میں خانہ کعبہ کا رخ کرتے ہیں، تو یہ مبارک عمارت اور دیواریں مقصود نہیں۔ بلکہ وہ تجلیات ہیں جو اوپر سے آتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانہ میں نئی عمارت تعمیر کرائی گئی جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرز پر تھی۔ تو کئی دن دیواریں جب تک نہیں چنیں گئیں تو کوئی دیوار نہ تھی اور پھر بھی مسلمانانِ عالم کا رخ ادھر ہی ہوتا تھا ــــ پھر حجاج بن یوسف نے دوبارہ پرانے نقشہ پر نقشہ بدل دیا۔ دوبارہ تعمیر کرائی اور اس میں خدا کی حکمت تھی کہ حضورِ اقدس ؐ کے زمانہ میں بھی موجودہ نقشہ ہی تھا۔ حج و مناسک حج اور طواف وغیرہ میں وہی صورت سامنے رہ گئی۔ تو مقصود عمارت نہیں، وہ فضا اور تجلیات الٰہیہ ہیں، جب تک وہ تجلیات مبارک موجود ہیں کوئی دشمن اسوقت تک اس جگہ پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل ــ الآیۃ۔ ہاتھی والوں کے ساتھ ابرہۃ الاشرم کے ساتھ اللہ نے کیا کیا۔ یہ خانہ کعبہ اور مکہ مکرمہ، متکبرین اور جبارین کی گردن توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اس وجہ سے اس کا نام بکّہ بھی ہے۔ لانھا تبتک الجبابرۃ ــــ سرکشوں کی گردن توڑنے والا ہے۔ مگر یہ اس وقت تک ہے جب تک تجلیات الٰہی باقی ہوں گی۔ اور جب تجلیات مرتفع ہوئیں تو ایک حدیث میں ہے کہ ایک چھوٹی چھوٹی پنڈلیوں والا ٹیڑھے پاؤں والا ایک حبشی آکر خانہ کعبہ (اعاذ اللہ من الھدم) کو ڈھا دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دور میں ایسا وقت نہ لائے۔ اس لئے کہ تجلیات اٹھا دی گئی ہوں گی۔ بادشاہ خیمہ میں ہو تو میلوں لوگ رعب میں رہتے ہیں۔ بادشاہ وہاں سے چلا جائے تو خاکروب اور بھنگی بھی آکر اس عمارت اور خیمہ کو اکھاڑ کر لپیٹ دیتے ہیں، تو قیامت سے قبل حج بھی بند ہو جائے گا۔

الغرض خانہ کعبہ کی روئے زمین پر موجودگی سارے عالم کی بقاء کا ذریعہ ہے۔ اللہ نے قرآن میں اسے

قیاماً للناس ــــ کہا ہے ۔ جعل اللّٰہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس ۔ الآیۃ ۔ اسے ذریعہ بقائے عالم کا بنا دیا تو جب تک یہ شاہی خیمہ موجود ہے تو افریقہ، امریکہ مشرق و مغرب کے سارے علاقے بھی مرکز کے گرد ام القریٰ کے گرد ۔ موجود ہیں اور جس وقت یہ تجلیات اٹھالی گئیں اور مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کسی کے ہاتھ منہدم ہو جائے تو چاروں طرف، ایشیا، افریقہ ۔ امریکہ زلازل وغیرہ سے تباہ و برباد ہو جائے گا ۔ اور قیامت قائم ہو جائے گی ۔

تو آج جو صدمہ ہے اور جو حادثہ پیش آیا ہے صرف مسلمانوں کی عزت و بقاء اور عبادت کا سوال نہیں بلکہ خدانخواستہ قیامت اور عالم کی تباہی کا پیش خیمہ بن سکتا ہے ۔ ساری دنیا کی تباہی کا سوال ہے ۔ بیت اللہ نہ رہے تو ساری دنیا نیست و نابود ہو جائے گی ۔ یہ وہ خانہ کعبہ ہے کہ خود حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا ــــ سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام جیسے دو نبیوں نے اسکی عمارت اپنے ہاتھوں سے بنائی ــــ ــــ واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسماعیل ــــ طوفان نوح کے وقت یہ عمارت اٹھائی گئی تھی ۔ پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حضرت جبرئیل نے بنیادوں کے نشانات بتلا دئے انہوں نے ان بنیادوں پر تعمیر کی اس سے قبل حضرت آدمؑ نے تعمیر فرمائی اور ان سے بھی قبل نامعلوم زمانے تک فرشتے خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے، اب بھی فرشتے موجود ہیں مگر اس وقت تو خالص فرشتے طواف کیا کرتے تھے اور یہ خانہ کعبہ زمین کا وہ حصہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پانی پیدا کیا تو اس پانی میں اوّل جو قطعہ مبارکہ زمین کا نمودار ہوا ہے وہ یہی ٹکڑا ہے ــــ ام القریٰ ہے ــــ ماں ہے ــــ اصل ہے پھر فرشتے یہاں طواف کرتے ــــ اور اب تو نمازوں میں اللہ نے اسے نمازیوں کا قبلہ قرار دیدیا ۔ ہر دور میں کافروں کے دلوں میں اسکی یہ مرکزیت کھٹکتی رہی مگر قدرت کو منظور ہے کہ اس وقت سارے اسلامی حکومتوں کا مرکز بھی سعودی حکومت کو بنا دیا ۔ پٹرول اور سونے کے ذخائر سے اللہ نے اس خطہ کو بھر دیا ہے ۔ مالی اقتصادی حالت بھی یہاں کی اللہ تعالیٰ نے بہتر کردی کہ اب امریکہ اور روس جیسی خبیث طاقتیں بھی اس حکومت سے ڈرتی ہیں اور محتاج ہیں کہ کہیں یہ اپنے سونے کے ذخائر واپس نہ کر دے تیل بند نہ کر دے ۔ عبادت کے لحاظ سے یہ عالم ہے کہ ۲۰ ۔ ۲۵ لاکھ افراد اس سال بھی حج کے موقعہ پر جمع تھے تو گویا ظاہری صوری روحانی اور مادی ہر لحاظ سے اس مقام کو اللہ پاک نے مرکزیت دی ہے اور عظمت و عزت کا اسے ایک مرکز بنا رہا ہے ۔ دنیا کے کافر ہرگز نہیں چاہتے کہ مسلمان ایسی ترقی کرے کہ ان کے ہاتھوں میں دولت کے ذخائر بھی ہوں اور عبادات میں بھی مذہب میں بھی ایسا ذوق شوق ہو کہ ۲۵ ، ۲۵ لاکھ ایک موقع پر موجود ہوتے ہوں ۔

مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کی جو مساعی ہو رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے کامیابی سے ہمکنار کر دے تو یہ کافروں کے دل میں ایک کانٹا ہے بڑا خطرناک کانٹا ہے ۔ اور یہ ــــ لوگ سو سال قبل سوچتے ہیں کہ اس صورتحال کا نتیجہ کیا نکلے گا ۔ اب واقعہ ہمارے سامنے ہے معلوم نہیں کہ کون لوگ ہیں کچھ جذباتی ہیں ،

خانہ کعبہ کی معمولی توہین اور تھوڑی تکلیف بھی سارے مسلمانوں کے ظاہری و باطنی دونوں طرح کی تباہی ہے کہ ایسا کرنا ظاہراً داھیہ کبریٰ قیامت کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے اور یہ ایک بڑا چیلنج ہے کہ ایک اب مسلمانوں کو یہ کافر طعنہ دے سکیں گے کہ اپنا مرکز عبادت تو آزاد کرلو۔ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو خانہ کعبہ کی عظمت اور مسلمانوں کی عزت کا ذریعہ بنا دے تو اللہ کے خزانوں میں کچھ کم نہیں۔ جب بھی موقعہ ہو تو ہم ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار رہیں گے ہماری جان ہماری عزت ہماری آبرو ہمارا سب کچھ خانہ کعبہ پہ قربان ہوجائے تو کم ہے۔ اب آگے جو واقعات آئیں گے تو اس کا انتظار کریں گے ——۔

بہر تقدیر اس وقت بھی اور اس کے بعد بھی ہمارا ماویٰ و ملجاء اللہ پاک ہے۔ دعا کا مرکز وہی ہے۔ اخلاص سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ کی عزت و عظمت قائم رکھے اور محبوسین کو اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے۔ کہ وہ ظالم محبوس مسلمانوں کو اور کل دنیا کے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

آج کا دور عجیب ہے، جنگ چھڑ گئی تو پھر محاذ محاذ نہیں ہے۔ بموں اور جہازوں کی جنگ ہے - ایک بم سے ضلع اور صوبے ختم ہوتے ہیں۔ تو بغیر انابت الی اللہ کے کوئی اور ذریعہ نہیں اللہ تعالیٰ اس ختم مبارک کو قبول فرمادے اخلاص سے چلتے پھرتے ہوئے اللہ کو یاد کرتے رہیں نمازوں میں رو رو کر اپنے گناہوں کی توبہ کریں۔ قیامت دنیا کے بدترین لوگوں پر قائم ہوگی، نیکوکاروں پہ نہیں، دن رات روئیں، استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ اس ابتلاء کو ٹال دے گا —— دعا فرمادیں اور اس کے بعد آج کے بقیہ دن اظہار افسوس کے طور پہ تعطیل رہے گی، گو دارالعلوم میں تعطیل کا ایسے مواقع پہ دستور نہیں —— تو آپ جاکر ذکر و استغفار اور دعا میں وقت گذاریں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین -

بقیہ: مولانا ابوالکلام آزاد

۲۲/۲/۵۸ء آج صبح انڈیا ریڈیو نے اُن کی وفات کی خبر سنائی۔ آہ علم و معرفت کا چراغ بجھ گیا! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آج ان کی وفات کو ایک عرصہ ہوگیا ہے۔ لیکن جب کبھی اس گنجینۂ علم و کمال اور پیکر حسن و جمال کی یاد آتی ہے تو یہ شعر پڑھ کر حسرت و اضطراب میں ڈوب جاتا ہوں۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم   تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے!

مطبوعات مؤتمر المصنفین

دعوات حق
جلد اوّل

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے خطبات اور ارشادات کا عظیم الشان مجموعہ دین و شریعت اخلاق و معاشرت علم و عمل، عروج و زوال، نبوت و رسالت، شریعت و طریقت۔ ہر پہلو پر حاوی کتاب صفحات ۶۷۵ بہترین طباعت و مجلد، قیمت -/۳۰ روپے۔

قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ

قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے دینی و ملی مسائل پر قراردادیں، مباحث، تقاریر اور قراردادوں پر ارکان کا ردعمل، آئین کو اسلامی اور جمہوری بنانے کی جدوجہد کی مدلل اور مستند داستان، ایک سیاسی و آئینی دستاویز، ایک عمالنامہ جس سے وکلاء سیاستدان، علماء اور سیاسی جماعتیں بے نیاز نہیں ہوسکتیں، صفحات ۴۰۰، قیمت پندرہ روپے۔

عبادات و عبدیت

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی تقاریر کا مجموعہ، بندگی اور اسکے آداب، عبادات کی حکمتیں اور اعمال صالحہ کی برکات، اللہ کی عظمت و محبوبیت اور دیگر موضوعات پر عمدہ کتاب۔ صفحات ۸۸، قیمت -/۳ روپے

مسئلہ خلافت و شہادت

مسئلہ خلافت و شہادت حسین، تعدیل صحابہ وغیرہ پر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی مبسوط تقریر مولانا سمیع الحق کی تعلیقات و حواشی کے ساتھ صفحات ۱۰۴ قیمت -/۳ روپے۔

اسلام اور عصر حاضر

از مولانا سمیع الحق مدیر الحق عصر حاضر کے تمدنی، معاشی، اخلاقی، سائنسی، آئینی، تعلیمی اور معاشرتی مسائل میں اسلام کا موقف، عصر حاضر کے علمی و دینی فتنوں اور فرق باطلہ کا تعاقب، بیسویں صدی کے کارزار حق و باطل میں اسلام کی بالادستی کی ایمان افروز جھلک، مغربی تہذیب کا تجزیہ پیش لفظ از مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ صفحات ۲۲۴ مجلد خوبصورت طباعت و مجلد قیمت -/۳۰

قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق

از مولانا سمیع الحق مدیر الحق تعمیر اخلاق، اصلاح معاشرہ، تطہیر نفس میں قرآن حکیم کا معتدلانہ انداز اور حکیمانہ طرز عمل، عبادات کا اخلاقی پہلو۔ قیمت -/۳ روپے

الحاوی علی مشکلات الطحاوی

شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارنپوری، شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمان کاملپوری اور مظاہر العلوم کے دیگر ممتاز محدثین کے مشترکہ غور و فکر کا نتیجہ طحاوی شریف کی تقریباً ایک سو مشکلات کا حل۔ قیمت بارہ روپے۔

ہدایۃ القاری شرح صحیح البخاری
عربی

از قلم حضرۃ مولانا محمد فرید صاحب مدرس و مفتی دارالعلوم حقانیہ، بخاری شریف کی قدیم مبسوط شروح اور اعاظم اکابر سے زیر بحث مسئلہ پر مباحث کا خلاصہ، مختصر اور جامع شرح جلد اول صحیح بخاری کی کتاب العلم پر مشتمل ہے۔

برکۃ المغازی
عربی

از مولانا محمد حسن جان صاحب استاذ دارالعلوم حقانیہ۔ بخاری شریف کی کتاب الجہاد و المغازی اور حدیث وصیۃ زبیر رضی کے متعلق تحقیقی مباحث۔ قیمت چار روپے۔

پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی غیر مطبوعہ مبسوط تقریر انسان کی حقیقی کامیابی کا معیار اللہ کی نظر میں کیا ہے۔ مرتبہ مولانا سمیع الحق قیمت ایک روپیہ۔

ارشادات حکیم الاسلام

از علامہ قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ دارالعلوم حقانیہ میں معجزات انبیاء، دارالعلوم دیوبند کی روحانی عظمت اور مقام پر حضرت قاری صاحب مدظلہ کی حکیمانہ اور عارفانہ تقریریں۔ قیمت -/۵۰ روپیہ۔

مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور پاکستان

Adarts

CAR-3/79
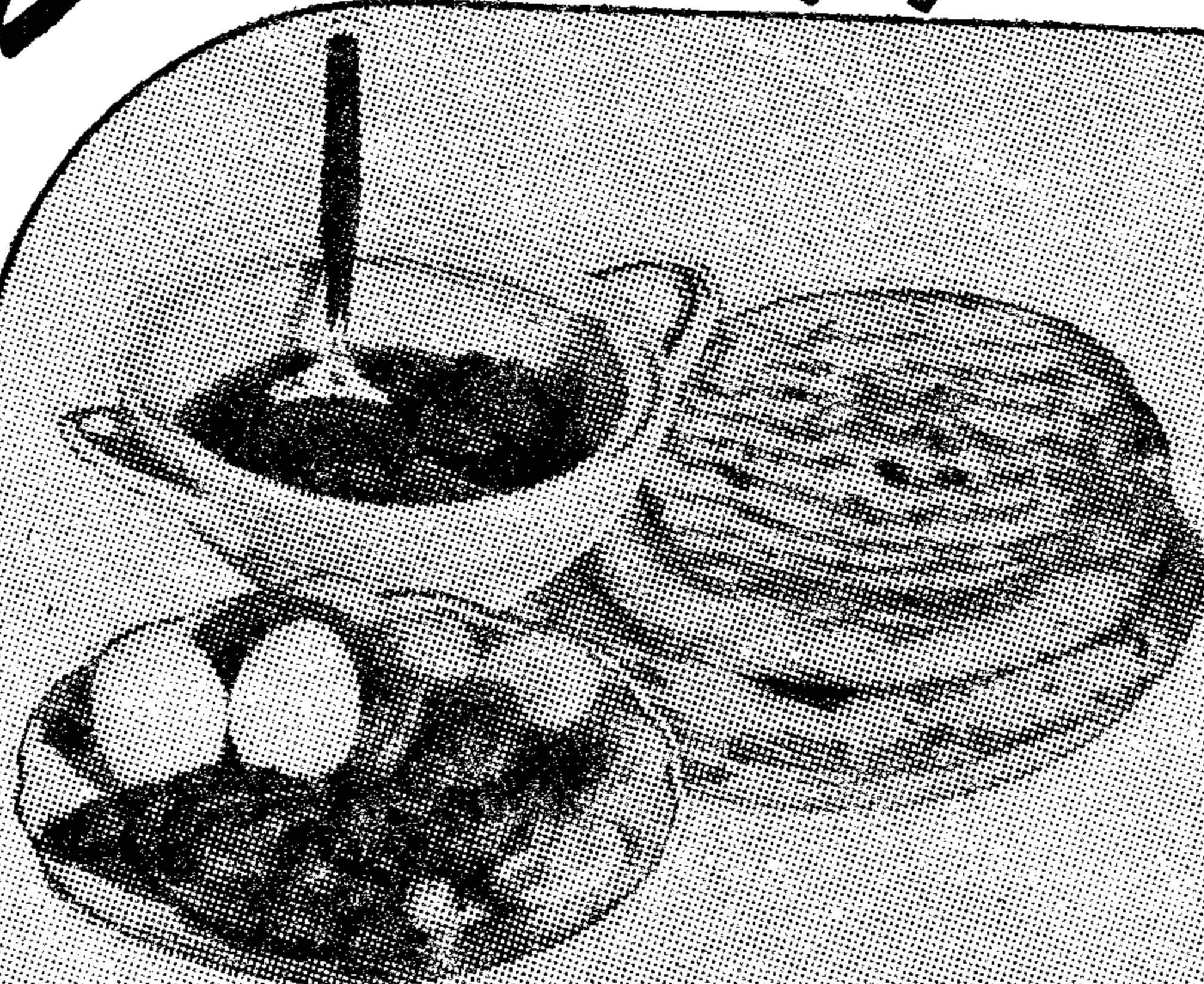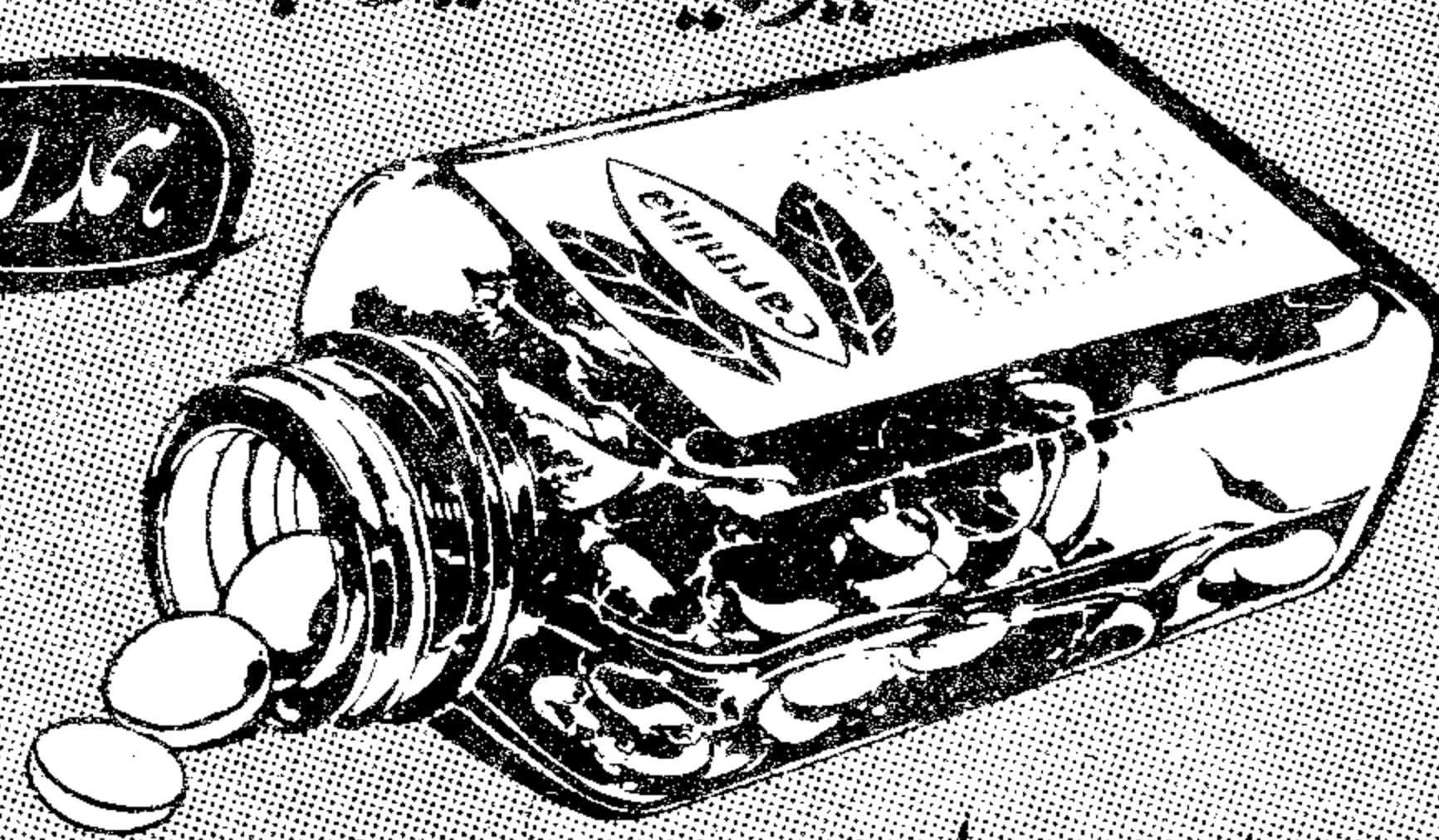
از جناب ڈاکٹر شبیر بہادر خان صاحب پنّی

مولانا ابوالکلام آزاد اور پاکستان

تصویر کا ایک حقیقی رُخ !

ڈاکٹر شبیر بہادر خان پنّی ملک کی ایک مشہور علم دوست شخصیت ہیں۔ پیشہ کے لحاظ سے تو وہ ڈاکٹر ہیں مگر اپنے اعلیٰ علمی ذوق کی بنا پر ہمیشہ نامور اہلِ علم و قلم سے ان کے قریبی تعلقات اور روابط رہے ہیں۔ انہی اربابِ دانش میں سے مولانا ابوالکلام آزاد کی نابغۂ روزگار شخصیت بھی ہے جن سے ان کو والہانہ عقیدت ہے۔ ابھی حال ہی میں ان کی ایک کتاب "دیدہ و شنیدہ" منظرِ عام پر آئی ہے۔ جو دراصل ملک کے مختلف شعبہ ہائے حیات سے تعلق رکھنے والے مشاہیر کا گویا تذکرہ ہے۔

اس کتاب میں ایک مقالہ مولانا ابوالکلام کی شخصیت پر بھی ہے۔ ہم اس مقالے کا کچھ حصہ "الحق" میں شائع کر رہے ہیں۔ تاکہ مولانا کے سیاسی افکار انہیں قریب سے جاننے والے ایک شخص کی وساطت سے قارئین کے سامنے آسکیں۔ اور انہیں مولانا کے متعلق ایک متوازن رائے قائم کرنے میں مدد مل سکے۔

اس اقتباس کے لئے ہم "میثاق" لاہور کے ممنون ہیں (ادارہ)

قوم کی وجہ ناراضگی | سیاسی اُمور میں رائے کے اختلاف سے قوم میں ان سے ناراضی شروع ہوئی۔ حالانکہ سیاسی اُمور میں اختلاف رائے ایک بدیہی امر ہے۔ چونکہ اس میں وحی کا عنصر نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہر ایک کی رائے اپنے ذاتی علم، تجربہ اور بصیرت پر مبنی ہو ہے۔ اس واسطے کسی کی رائے پر ایمان نہیں لایا جاسکتا۔ سیاسیات میں کوئی شے قطعی نہیں ہوتی۔ یہ جامد نہیں کہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکتی ہو۔ اس میں حالات کے مطابق تغیّر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ جہاں تک میں ان کی تحریروں، تقریروں اور بالمشافہ گفتگو سے سمجھ سکا۔ ان کی رائے تھی کہ ہندوستان کی مکمل آزادی ہندو مسلم اتحاد پر منحصر ہے اور ہندوستان کی آزادی کو وہ مسلم ممالک (مشرقِ وسطیٰ) کی آزادی کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔

اقتباس از سیرت مولانا داؤد غزنویؒ | مولانا ابوالکلام آزاد اس برصغیر میں علامہ جمال الدین افغانیؒ کے ایک طرح کے نائب تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے شاگرد اور جانشین صادق تھے ان حضرات کا نظریہ یہ تھا کہ اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کا طاقت ور حریف انگریز ہے۔ اس لئے انہوں نے اور اُن کے

رفقاء نے اپنی ساری قوتیں اس امر کے لئے وقف کر دیں کہ اس ملک سے انگریز کو نکال دیا جائے یہی وقت کا سب سے بڑا جہاد اور اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے اس نظریہ کے تحت انہوں نے ہر اس پتھر کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی جو انگریز کے اقتدار کے لئے اس ملک میں ممد و معاون ہو سکتا تھا۔ ہر اس بت کو توڑنے کی کوشش کی جس کی پرستش سے انگریز کا تقرب حاصل ہو سکتا تھا۔

مولانا آزاد ہندو کی تنگ نظری سے واقف تھے اور اس پر گرفت بھی کرتے رہتے تھے چونکہ ان کو مسلم ممالک کی آزادی عزیز تھی لہذا اس کے حصول کے لئے وہ گاندھی جی (ہندوؤں) سے تعاون کے حق میں تھے۔ ان کے قلبی تعلق کے کیف کا اندازہ جو ان کو مسلمانوں سے تھا۔ ان کے اقوال و افکار سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے اور ان کی زندگی کے یہی اوراق ہیں۔ جن کے مطالعہ سے ان کی اچھائی اور برائی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ان کی زندگی کے چند اوراق | خان عبدالغفار خاں اپنی "آپ بیتی" جو انہوں نے خود لکھوائی، میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں: "جب کانگریس نے تقسیم ملک پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے انہوں نے تمام پٹھانوں کو موت کی سزا سنادی۔ میں بے حد پریشان تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد میرے قریب بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ اب آپ کو مسلم لیگ میں شامل ہو جانا چاہئے"

اگر خان عبدالغفار خاں ان کا مشورہ قبول کر لیتے تو یقیناً ان کی پارٹی، قوم اور ملک کے لئے بہتر ہوتا لیکن انہوں نے نہ مانا۔ انجام سامنے ہے۔

۲۔ مولانا آزاد نے مولانا داؤد غزنوی کو بھی یہی مشورہ دیا تھا۔ ہفتہ وار "چٹان" لاہور اپنی اشاعت مورخہ ۲۴/۱۲/۳۰ دسمبر ۱۹۶۷ء میں لکھتا ہے:۔

"بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ پنجاب و سرحد وغیرہ کے جن سیاسی رہنماؤں کو مولانا آزاد نے مسلم لیگ میں شامل ہو جانے کا مشورہ دیا تھا ان میں مولانا داؤد غزنوی بھی تھے وہ بے جھجک مسلم لیگ میں شامل ہو گئے"

آغا شورش کاشمیری اپنی کتاب "بوئے گل، نالۂ دل، دود چراغ محفل" کے صفحہ ۲۲۴ پر لکھتے ہیں:

"بہ حالات موجودہ مولانا آزاد نے کہا مسلمانوں کے لئے دو ہی راستے ہیں ایک راستہ تو وہ ہے جو میں نے اختیار کیا لیکن مسلمانوں نے من حیث الکل اس پر چلنے سے انکار کر دیا۔ دوسرا راستہ وہ ہے جو ان کے لئے لیگ نے بتا دیا ہے۔ مسلمان میرے ساتھ نہیں چلتے، نہ چلیں لیکن میری یہ خواہش ضرور ہے کہ تنظیم کی زندگی بسر کریں۔ ایک بھیڑ نہ رہیں ہمیشہ قوت اور تنظیم ہی کی قدر کی جاتی ہے"

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ان دنوں دہلی میں تھے انہیں بلوا کر کہا:۔

"آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ حالات یکسر تبدیل ہو گئے ہیں۔ ادھر اُدھر کا راستہ نہیں رہا۔ ایک راستہ بن چکا ہے جس سے اب انکار نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے چاہا کہ مسلمان میرے ساتھ آجائیں۔ لیکن مسلمانوں نے اعراض کیا۔ میری بات کچھ نوجوانوں کی سمجھ میں نہ آئی۔ کچھ حالات اس طرح کے بن گئے کہ ان کے لئے لیگ ہی کا راستہ پسندیدہ ہو گیا۔ اب اس کے حسن و قبح پر بحث کا سوال نہیں۔ اب ایک طے شدہ راستہ پر مسلمانوں کے سفر کا سوال ہے اگر ہم ہندوستان کے علاوہ مسلمانوں کے لئے بھی سوچتے رہے ہیں تو میں آپ کو اور آپ کی وساطت سے احرار کو مشورہ دوں گا کہ آپ لوگ جو پاکستان کے صوبوں میں رہ رہے ہیں مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں تاکہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے۔ اور معاملہ کسی دشواری کے بغیر حل ہو جائے۔ دوسرا فائدہ جو اس سے پہنچے گا یہ ہو گا کہ مسلمانوں میں آپ لوگوں کا اعتماد بحال ہو جائے گا۔ اس وقت مسلمان جذبات کے عالم میں ہیں۔ انہیں غصہ بھی ہے، ناراضی بھی ہے اور شاید بڑی حد تک نفرت بھی۔ یہ سب ختم ہو جائیں گے۔ پاکستان بن جانے کے بعد جب سیاسی موقع پرستوں اور انگریزی حکومت کے موروثی اہل کاروں سے واسطہ پڑے گا تو ان کی طبیعتیں دوبارہ غور و فکر کی طرف لوٹیں گی۔ اُس وقت آپ ان کا ہاتھ تھام سکتے اور پاکستان کی آزادی کو اغوا ہونے سے بچا سکتے ہیں۔"

مسلم لیگ کے پنجاب میں بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے متعلق "نوائے وقت" ۷ نومبر ۱۹۷۷ء میں ایک نوٹ از قلم میاں محمد شفیع مشہور مسلم لیگی لیڈر شائع ہوا۔ عنوان ہے "مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق ایک تاریخی واقعہ" جو حرف بحرف درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"شیخ محمد اشرف لاہور کی ایک معروف شخصیت ہیں وہ برصغیر میں کتابیں چھاپنے کے میدان میں ہندوؤں کے مقابلے میں بھی ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ پاکستان کے قیام کے بعد انہوں نے اسلام پر بے شمار قابل قدر کتابیں شائع کیں۔ وہ پاکستان میں اہل حدیث کی تنظیم میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے ایک ملاقات میں مجھے مولانا ابوالکلام آزاد کے حوالے سے ایک واقعہ سنایا جسے میں ایک تاریخی واقعہ سمجھ کر "نوائے وقت" کے کالموں میں ریکارڈ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

شیخ محمد اشرف نے فرمایا یہ اس صدی کے چوتھے عشرے کے آخری مہینے تھے جب کانگرس کے مقابلے میں مسلم لیگ کی طاقت روز افزوں زور پر تھی۔ میں پکا کانگرسی تھا اور حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کو نہ صرف مذہبی طور پر بلکہ سیاسی طور پر بھی دل سے اپنا پیشوا تسلیم کرتا تھا۔ حضرت مولانا ان دنوں انڈین نیشنل کانگرس کے صدر تھے۔ مجھے قدرتی طور پر مسلم لیگ کی اس بڑھتی ہوئی مقبولیت پر پریشانی تھی۔ اور میں دل میں طرح طرح کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔ اسی اثنا میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا دہلی سے پشاور تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مولانا سے

لاہور ریلوے سٹیشن پر ملاقات کا پروگرام بنایا۔

چنانچہ جس روز مولانا کی ٹرین دہلی سے لاہور پہنچنے والی تھی، میں اپنے دوسرے دو ہم خیال دوستوں مولانا خدا بخش (جن کا اب انتقال ہو چکا ہے) اور خواجہ عبدالوحید (جو خدا کے فضل و کرم سے کراچی میں زندہ سلامت ہیں) کو ساتھ لے کر ریلوے سٹیشن پر پہنچ گیا۔ ریلوے سٹیشن پر پہنچے تو وہاں مولانا سے ملاقات کے لئے امیدواروں کا بڑا اژدہام پایا۔ اس لئے تینوں نے ریلوے ٹکٹ خرید لئے تاکہ مولانا کے ساتھ ہی ٹرین میں سوار ہو جائیں۔ اور جب موقع پائیں مولانا کے ساتھ مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے کے مسئلہ پر تبادلۂ خیالات کریں ـــــ یہ موقع ہمیں وزیر آباد گذر جانے کے بعد ملا جب ان سے ملاقات کرنے والے اپنی اپنی کہہ سن چکے تو میں نے مولانا سے عرض کیا کہ:

"پنجاب میں مسلم لیگ کا زور دن بدن بڑھتا جا رہا ہے اس لئے نیشنلسٹ خیال کے مسلمانوں کے کام کرنے کے راستے میں بے شمار دقتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ اس لئے جب تک مسلم لیگ کے اس بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو ختم کرنے کے لئے مؤثر تدابیر اختیار نہیں کی جائیں گی۔ پنجاب میں کانگرس اور اس کے ہم نواؤں کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔"

مولانا نے ہماری باتیں بڑے سکون اور اطمینان سے سننے کے بعد فرمایا:

"بھائی مسلم لیگ کو کمزور کرنا دانشوری کی بات نہیں۔ بلکہ یاد رکھو جب تک مسلم لیگ طاقت نہیں پکڑے گی اس وقت تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں سیاسی مفاہمت کا راستہ ہموار نہیں ہو سکتا مسلم لیگ کو مضبوط ہونے دو تاکہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی جماعت مضبوطی کے ساتھ کانگرس سے بات کر سکے۔"

شیخ محمد اشرف صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا ابوالکلام کا یہ ارشاد سن کر ہم پر گھڑوں پانی پھر گیا۔ ہم تو اُن سے اس امید پر بات کرنے گئے تھے کہ وہ مسلم لیگ کے صدر کو جلی کٹی سنا کر ہمیں پنجاب میں مسلم لیگ سے لڑنے اور کانگرس کو مضبوط بنانے کے لئے کوئی مؤثر منصوبے بتائیں گے۔ لیکن مولانا نے مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کی ضرورت پر وعظ فرما کر الٹی گنگا بہا دی۔ لیکن شیخ صاحب کی بات درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ مولانا مرحوم قیام پاکستان کے بعد بھی اپنے ملنے والے پاکستانی مسلمانوں کو یہی مشورہ دیا کرتے تھے کہ اب پاکستان بن گیا ہے تو اسے مضبوط بناؤ۔ یہی ہماری بھی حفاظت کا ضامن ہوگا۔

عبداللہ شبلوی حال اسلام آباد نے میاں محمد شفیع صاحب کے بیان (گذشتہ صفحہ) پر تحریر فرمایا ہے کہ وہ اس بیان کو قابلِ یقین سمجھتے ہیں اور اپنا ایک واقعہ اپنے مضمون روزنامہ نوائے وقت مورخہ ۵/دسمبر ۷۶ء میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:-

غالباً آخر ستمبر ۱۹۴۷ء کی بات ہے کہ مولانا شملے تشریف لاتے اور سرکاری کوٹھی "رِی ٹریٹ" میں فروکش ہوئے شملہ اس وقت فسادات کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ منتشر مسلمان سمٹ سمٹا کر چند قدیم مسلم محلوں میں جمع ہوگئے تھے مولانا کا آنا ایک گونہ ڈھارس کا باعث ہوا۔ چنانچہ روزانہ سہ پہر کے وقت مقامی لوگ ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے مسلمان زیادہ ہندو کم۔ مگر پھر بھی خاصی تعداد میں۔ مولانا دوسروں کی سنتے تھے اور کچھ اپنی بھی سنا دیتے تھے۔ ایک دن ایک دل جلے نیشنلسٹ مسلمان نے ان پُرآشوب حالات کا ذمہ دار پاکستان کو ٹھہرایا۔ جواباً مولانا نے جو کچھ فرمایا اور علی الاعلان کہا تو ہندو تو ایک طرف اچھے اچھے مسلمانوں کے حواس گم ہو گئے۔ مولانا کا قول کم و بیش انہی کے الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا:

دنیا جانتی ہے کہ ہم لوگ نیشنلسٹ مسلمان کے نام سے بدنام ہیں ہم نے کھلے بندوں پاکستان کی مخالفت کی کہ ہماری نظر میں اس میں کچھ مسلمانوں کا تو بے شک فائدہ تھا مگر بہت سوں کو اس سے کہیں زیادہ نقصان۔ اور رہا اسلام تو اس کا فائدہ معلوم۔ لیکن ہم نیشنلسٹ مسلمان ہیں اور مسلمان کی شرطِ اول ہے تسلیم۔ پاکستان بن گیا یعنی مشیت الٰہی کو یہی منظور تھا۔ اب ہمارا اسلامی فرض ہے کہ مشیت کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیں۔ اسے دل و جان سے قبول کریں۔ اور اس قبول کا حق ادا کریں۔ ضرورت ہے کہ ہمارا دل و دماغ ہر طرف سے پاکستان جائے۔ اس کو بنائے اور اسنوارے تاکہ پاکستان کی عمارت رفیع الشان ہو۔ دیکھنے دکھانے کے قابل ہو۔ قربانیوں کا قرار واقعی صلہ ہو۔ بلکہ پاکستان ایک سنگین اور انمٹ قلعہ ہو۔ اس لئے کہ پاکستان نہ بنتا تو مضائقہ نہ تھا لیکن بن کر ٹوٹ گیا تو پھر ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ نہ اِدھر کے مسلمان اور نہ اُدھر کے مسلمان۔ بربادی ہمارا قومی مقدر ہو گا۔"

اس پر ایک صاحب نے کہا کہ پھر تو آپ کو بھی پاکستان چلنا چاہئے۔ مولانا کا جواب تھا کہ یہ نہ بھولئے کہ ہندوستان میں بھی مسلمان رہیں گے ان کی ضروریات بھی کچھ کم نہیں۔ پاکستان بنانے والے اُن کے کام نہیں آسکیں گے۔ اس پر ہندوستانی مسلمان حاضرین نے بھی دانتوں میں انگلیاں دے لیں۔

اس واقعے کے گواہ پروفیسر قدرت اللہ فاطمی بھی ہیں (احقر عبداللہ شملوی اسلام آباد)

۴۔ اسی طرح آپ نے ڈاکٹر محمد باقر صاحب جو تقسیم ملک کے وقت مرکزی حکومت ہند میں ملازم تھے مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی خدمات پاکستان حکومت کو دے دیں اور انہوں نے یہ مشورہ قبول کر لیا۔ اور پاکستان آگئے۔ مولانا آزاد اس نو تخلیق شدہ اسلامی ملک کو تجربہ کار اور لائق افراد کی بہتر کارکردگی سے مضبوط بنانے کے لئے مشورہ دیتے رہے۔

۵۔ پروفیسر مرزا محمد منوّر صاحب اپنے ایک مضمون بعنوان "بحث و نظر" شائع شدہ روزنامہ "نوائے وقت" ۱۳ مارچ ۱۹۷۲ء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"پاکستان وجود میں آگیا ہے تو اب اسے باقی رہنا چاہئے۔ اس کا بن کر بگڑ جانا سارے عالم اسلامی کی شکست کے برابر ہوگا"

مولانا ابوالکلام آزادؒ کے اس قول کی تشریح مزید کے لئے مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں جو اختصار سے پیش کرتا ہوں:۔

"۱۹۵۳ء کا جولائی یا اگست کا مہینہ تھا کہ میرے استاد مرحوم و مغفور ڈاکٹر برکت علی قریشی مری کے سیسل ہوٹل میں قیام پذیر تھے آپ ان دنوں یونیورسٹی اورنٹیل کالج کے پرنسپل تھے اور مری میں تعطیلات گرما بسر کر رہے تھے میں ان کی خدمت میں کیریکٹر سرٹیفکیٹ لینے کی خاطر حاضر ہوا تھا۔ وہ ان دنوں ابن خلدون پر کوئی کتاب انگریزی میں تحریر فرما رہے تھے"۔۔۔

اس کے بعد ان سے تفصیلی بات چیت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"میرے استفسار پر کہ پاکستان حکومت نے ان کو کس کی سفارش پر شام میں ناظم الامور بنا کر بھیجا؟ فرمانے لگے۔ میں نے بھارت کی ایک پیش کش مسترد کر دی تھی۔ وہ پیش کش یہ تھی کہ اگر میں بھارت کا شہری رہوں، پاکستان سے واپس چلا جاؤں تو مجھے کسی عرب ملک میں بھارت کا سفیر بنا دیا جائے گا۔ جب میں نے بھارت کی یہ پیش کش مسترد کر دی تو اس امر کی اطلاع کسی طرح پاکستان گورنمنٹ کو بھی ہوگئی۔ چنانچہ میرے اس ایثار کا ایک حد تک بدلہ چکانے کے لئے مجھے ناظم الامور بنا کر شام بھیج دیا سفیر تو بہر حال نہ بنایا اور ناظم الامور بھی زیادہ دیر تک نہ رہنے دیا"

اس کے بعد پروفیسر منور صاحب لکھتے ہیں:

"میں نے ان سے کہا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے اچھا کیا، آپ بھارت نہ گئے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب بولے، عزیز من! میں تو جا رہا تھا، مجھے مولانا ابوالکلام نے منع کر دیا۔ پھر وہ لکھتے ہیں۔ یہ سن کر میں چونکا اور پوچھا، انہوں نے کیوں روکا؟ میرے اس سوال پر ڈاکٹر صاحب نے بوضاحت فرمایا میرے عزیز! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں پرانا کانگرسی ہوں۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور شعیب قریشی جو ماسکو میں ہمارے سفیر ہیں، آصف علی اور مولانا آزاد اور پنڈت جواہر لال نہرو میرے بے تکلف احباب میں سے ہیں۔ دلی میں جو نیشنل ہائی سکول کانگرس کی زیر سرپرستی وجود میں آیا تھا۔ اس اسکول کا پہلا ہیڈ ماسٹر آصف علی تھا اور دوسرا میں۔ جب تقسیم برصغیر عمل میں آگئی تو چند ماہ بعد پنڈت جی (نہرو) کی طرف سے پیغام آیا کہ میں ان سے ملوں۔ چنانچہ میں دلی گیا اور پنڈت جی سے ملا۔ مجھ سے پنڈت جی نے کہا کہ قریشی صاحب! آپ وطن تشریف لے آئیں۔ آپ کی خاصی جائداد

ہے۔ یوپی میں بھی اور گلمرگ (کشمیر) میں بھی۔ آپ یہاں آرام سے رہیں گے۔ جائیداد بھی محفوظ رہے گی۔ آپ کا لڑکا ہماری سب سے بڑی ہاکی ٹیم کا رکن ہے۔ آپ پاکستان میں کیا کر رہے ہیں۔ آپ یہاں آئیں۔ آپ ہمارے پرانے رفیق ہیں۔ آپ کسی عرب ملک میں بھارت کی سفارت کے فرائض انجام دیں۔ بھارت کو آپ کی ضرورت ہے، وغیرہ وغیرہ"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

"پنڈت جواہر لال نہرو کے یہ الفاظ دہرانے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے تاسف کے ساتھ ذکر کیا کہ ان کا فرزند ارجمند ہاکی کا تو نہایت اچھا کھلاڑی ہے۔ مگر اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکا۔ اسی ذیل میں انہوں نے یوپی (صوبجات متحدہ بھارت) اور کشمیر میں اپنی جائیداد کا ذکر کیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ انہوں نے پنڈت نہرو کی پیش کش قبول کر لی تھی۔"

اس پر پروفیسر صاحب نے ان سے پوچھا کہ اس کے بعد یہاں رک جانے کی کیا وجہ ہوئی، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا :۔

"پنڈت جی کے ساتھ اس طویل اور کاروباری ملاقات کے ایک دو روز بعد مولانا ابوالکلام آزاد سے میں ملنے چلا گیا۔ انہوں نے باتوں باتوں میں پوچھا۔ جواہر لال سے بھی ملاقات ہوئی؟ میں نے عرض کیا جی ہوئی ہے۔ پوچھا کیا کیا باتیں ہوئیں؟ اُن کے اس سوال سے مجھے احساس ہو گیا کہ شاید پنڈت جی نے مولانا سے میری اور اپنی ملاقات کی روداد بیان کر دی ہے۔ ویسے میں خود بھی مولانا سے مفصل ذکر کئے بغیر نہ رہتا۔ جب میں نے مولانا کو پنڈت جی کی پیش کش کے بارے میں اطلاع دی، اور یہ بھی بتایا کہ میں نے وہ پیش کش قبول کر لی ہے تو مولانا نے جواب دیا۔ میرے بھائی! یہ آپ نے ٹھیک نہیں کیا۔

یہاں ڈاکٹر صاحب نے وضاحت کی کہ مجھے یہ توقع نہ تھی میرا خیال تھا کہ مولانا خوش ہوں گے کہ میں بھارت آ رہا ہوں۔ بہر حال نیم حیرت زدگی کے عالم میں، میں نے مولانا سے دریافت کیا، میرا فیصلہ کیوں ٹھیک نہیں؟ اس پر مولانا نے فرمایا اور ان کے وہ الفاظ میرے دل پر کندہ ہیں۔

"میرے بھائی! ہم نے تقسیم ہند کی مخالفت کی تھی اور کئی اسباب میں سے ایک سبب اس کی مخالفت کا یہ خوف تھا کہ اس تقسیم کے ساتھ ملتِ اسلامیہ بھی تقسیم ہو جائے گی۔ اور اس کی طاقت گھٹ جائے گی۔ مگر ملت کی اکثریت نے ہماری رائے (لفظ ملت قابل نوٹ ہے) کے خلاف فیصلہ دیا۔ ہم ہار گئے اور پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ پاکستان معرض وجود میں نہ آتا تو اور بات تھی اور اب ظہور میں آ گیا ہے تو ہر دوسرے اسلامی ملک کی طرح یہ بھی عزیز ہے۔ بلکہ دوسرے ممالک سے بڑھ کر عزیز ہے۔ اب اسے باقی رہنا چاہئے۔ اس کا بن کر بگڑنا سارے عالم اسلام کی شکست کے برابر ہو گا

اس کا وجود میں آ کر نا پید ہو جانا سارے عالمِ اسلامی کی توہین ہو گا۔ اب آپ لوگ بھارت کی طرف نہ دیکھیں اب آپ پاکستان کو مضبوط بنائیں۔ ہم یہاں آپ لوگوں کی بہتری کے لئے دعا کرتے رہیں گے۔"

۵۔ ولی محمد صاحب ساکن سرگودھا اپنے ایک مراسلہ "نوائے وقت" مورخہ ۱۱ اپریل ۱۹۷۲ء میں بعنوان "مولانا ابوالکلام آزادؒ اور پاکستان" تحریر فرماتے ہیں۔

"اعلانِ آزادی مورخہ ۳ رجون کے بعد حضرت مولانا ابوالکلام آزاد شملہ میں قیام فرما تھے۔ ۲۶ رجولائی کو شملہ کے کم و بیش ۲۵/۳۰ مسلمان شہریوں کا ایک وفد جس میں میں بھی شامل تھا حضرت مولانا سے ملاقی ہوا۔ مولانا نے گفتگو کا آغاز بعد از علیک سلیک یوں کیا:۔

"الحمدللہ! ملک، پاکستان اور ہندوستان، دو مملکتوں کے طور پر آزاد ہو گیا۔ اب ہمارے سیاسی نظریات کے اختلاف بھی ختم ہو گئے۔ میرا محمد علی جناح صاحب سے اختلاف دو سیاسی نظریات کا اختلاف تھا۔ اپنے اپنے نظریے میں ہم پُرخلوص تھے۔ قوم نے ایک نظریہ قبول کر لیا اور ایک رد کر دیا اس فیصلے کو میں صدق دلی سے قبول کرتا ہوں میری تمنّا اور دلی دعا ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کیا ہوا پاکستان مستحکم اور مضبوط ہو اور ترقی کرے۔ خدانخواستہ اب اگر پاکستان میں کسی قسم کی خرابی پیدا ہوئی تو بدنام اسلام ہو گا۔ بہرحال میری دعا ہے کہ پاکستان اسلامی مملکت بنے۔"

سرکاری ملازمین میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور بعض افسر اپنی خدمات پاکستان کے سپرد کرنے سے ہچکچاتے تھے بلکہ بعض نے ہندوستان لکھ کر دے دیا۔ اور کلرک، چپڑاسی، بیچارے خواہ اقلیتی صوبوں کے تھے وہ پاکستان لکھوا رہے تھے۔ میں نے مولانا کو اس امر پر توجہ دلائی تو فرمایا:۔

"میرے بھائی! پاکستان میں کلرکوں، چپڑاسیوں کی کمی نہیں۔ پنجاب یونیورسٹی نے دس ہزار میٹرک پاس کلرک پیدا کر دئیے ہیں۔ ضرورت اُن لوگوں کی ہے جو صاحبِ ہنر ہوں، جن کو انتظامی امور کا تجربہ ہو جو نظامِ حکومت کو بہتر طور پر چلا سکیں، منصوبہ بندی کے ماہر ہوں۔ ہر ایک شخص جو کسی قسم کے بھی فن کا ماہر ہو جس سے پاکستان شاہراہِ ترقی پر چل سکے اپنا نام پاکستان کی خدمت کے لئے لکھانا چاہئے وغیرہ۔"

ایک دوست کے اس سوال پر کہ حضرت! آئی۔سی۔ایس (انڈین سول سروس) (اب پاکستان سول سروس) قسم کے لوگ تو ہندوستان کے سپرد اپنی خدمات کر رہے ہیں، ہم کیا کریں؟

فرمایا۔ "بھائی! اس قسم کے لوگ پہلے کون سا قومی جذبہ رکھتے تھے، جو اب توقع رکھتے ہو!"

۶۔ جب تقسیم ملک کے بعد مسلمان ہندوستان سے خوف و ہراس کے عالم میں بھاگنے لگے۔ تو اُن کو دہلی کی شاہ جہاں

کی مسجد میں بلا کر تقریباً ۴۵ ہزار کے مجمع سے خطاب فرمایا اور باتوں کے علاوہ فرمایا :-

" یہ دیکھو مسجد کے مینار تم سے جھک کر سلام کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کر دیا ہے ؟ ابھی کل کی بات ہے کہ یہیں جمنا کے کنارے تمہارے قافلوں نے وضو کیا تھا اور آج تم ہو کہ تمہیں یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے حالاں کہ دہلی تمہارے خون سے سینچی ہوئی ہے۔

عزیزو! تبدیلیوں کے ساتھ چلو۔ یہ نہ کہو کہ ہم اس تغیر کے لئے تیار نہ تھے، بلکہ تیار ہو جاؤ ستارے ٹوٹ گئے لیکن سورج تو چمک رہا ہے۔ اس کی کرنیں مانگ لو۔ اور ان اندھیری راہوں میں بچھا دو جہاں اُجالے کی سخت ضرورت ہے۔ بادِ صرصر اٹھی تو رُخ پھیر دیا۔ آندھیاں آئیں تو ان سے کہا تمہارا راستہ یہ نہیں ہے۔ یہ ایمان کی جان کنی ہے کہ شہنشاہوں کے گریبانوں کے تار پیچ رہے ہو اور خدا سے اس درجہ غافل ہو گئے کہ جیسے اس پر کبھی ایمان ہی نہ تھا۔

عزیزو! میرے پاس تمہارے لئے کوئی نیا نسخہ نہیں ہے۔ چودہ سو برس پہلے کا پرانا نسخہ ہے، وہ نسخہ جس کو کائنات انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا تھا۔ اور اس نسخہ قرآن کا یہ اعلان تھا

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ٥

آج کی صحبت ختم ہو گئی، مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ اختصار کے ساتھ کہہ چکا، پھر کہتا ہوں، بار بار کہتا ہوں اپنے حواس پر قابو رکھو، اپنے گرد و پیش اپنی زندگی خود فراہم کرو۔ یہ منڈی کی چیز نہیں کہ تمہیں خرید کر لا دوں۔ یہ تو دل کی دکان ہی سے اعمالِ صالحہ کی نقدی پر دستیاب ہو سکتی ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" ٥

زباں ز نطق فرو ماند و راز من باقی است
بضاعتِ سخن آخر شد و سخن باقی است

مولانا آزاد اور غیرتِ ملّی | تقسیم برصغیر کے فیصلے کے مطابق ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے جشنِ آزادی سے تین چار دن پہلے چودھری خلیق الزمان - نواب اسمٰعیل خاں میرٹھی کی معیت میں مولانا آزاد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیش آمدہ حالات کی تلخیوں کا گلہ کرتے ہوئے تجویز رکھی کہ ۱۲ اگست کو دہلی میں مسلمانوں کا ایک اجتماعِ عظیم کر کے سردار پٹیل اور پنڈت نہرو کو سپاسنامہ پیش کرنا چاہئے۔ مولانا نے فرمایا :

" میرے بھائی! خوشامد کا یہ کاغذی نوشتہ پیش آمدہ مسائل کا حل نہیں ہے۔ ہم اپنی قوم کی خودی کو داغدار کئے بغیر اپنی مشکلوں پہ قابو پا سکتے ہیں۔"

مولانا آزاد اسلامی حمیت کی للکار تھے | آپ نے ہندوستان کے بت کدے میں اس وقت نعرۂ حق و صداقت بلند کیا جب اچھے اچھوں کی زبانیں بھی ذکرِ حق کے نام سے گنگ ہو جاتی تھیں۔ مولانا آزاد کانگریس (ہندو اکثریت کی جماعت)

میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی خودی اور اسلام کی سربلندی کے لئے علی الاعلان کلمۂ حق کہتے رہے۔ جہاں تک دو قومی نظریے کا تعلق ہے مولانا آزاد نے کبھی اس سے انکار نہیں کیا۔ البتہ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ برعظیم کی مختلف اقوام کو متحد ہو کر بحیثیت ہندوستانی انگریز سامراج کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ پاکستان میں ہندو، عیسائی، قادیانیوں، اور مسلمانوں کو ملا کر پاکستانی قومیت کا نام لیا جاتا ہے۔

کانگرس میں شمولیت کے باوجود مولانا آزادؒ کے کارنامے اخذ و اختصار از مضمون ملک عنایت اللہ نسیم سوہدروی شائع شدہ ہفتہ وار "چٹان" مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۷۵ء

" اگر کانگرس میں شامل ہونا قابل مواخذہ ہے تو کون سا ایسا رہنما تھا جو کانگرس میں شریک نہیں ہوا۔ یہ مولانا آزاد ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کی بہتری کے لئے (کرپس سکیم) مرکز کو کمزور کر کے صوبائی آزادی کو اس حد تک رکھے جانے کا اہتمام کیا کہ مسلمان ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے پانچ صوبوں کو لیں۔ اس طرح سے انہوں نے کرپس (CRIPS) سکیم کے لئے راہ صاف کی۔ جسے مسلم لیگ نے بھی تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد خود مولانا تقسیم کی ساری ذمہ داری نہرو اور اس کے ساتھیوں پر ڈالتے ہیں۔ گویا مولانا مسلمانوں کے حقوق کی پاسبانی اپنا فرض جانتے تھے۔ انہوں نے بھارت میں بچے کھچے مسلمانوں کا دفاع کیا۔ ان کا خطبہ بادشاہی مسجد جو پچھلے صفحات میں آچکا ہے اس دفاع کا نقطۂ آغاز تھا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ان کی زندگی میں ہندو وغیرہ ام سے محفوظ رہی۔ مشرقی و مغربی پاکستان کے ہر مسلمان کو تلقین کی کہ اب جب کہ پاکستان قائم ہو چکا ہے۔ اس کی حفاظت و استقلال کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے جو اس خطے میں رہتے ہو۔ مولانا نے ہندوستان کے قابل اور اہل مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ پاکستان جا کر اس کو مضبوط بنانے کی کوشش کریں۔ اور ہندوستانی حکومت کو پاکستانی حکومت سے بہتر تعلقات قائم کرنے پر زور دیا۔ یہاں تک کہ مولانا جب مشرق وسطیٰ کے دورے پر گئے تو واپسی پر کراچی آئے اور قائد اعظم کے مزار پر پھول چڑھائے اور فاتحہ خوانی کی۔

مولانا اکثر فرماتے کہ پاکستان بن چکا۔ اس کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ مولانا آزاد ہی تھے جنہوں نے ہمیشہ مسلمان ہونے پر فخر کیا اور انگریزی حکومت کے سامنے بیان دیتے ہوئے صاف صاف کہا کہ :

میں مسلمان ہوں اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں ظالم حکومت کی مخالفت کروں اور یہ ایمان کی کم سے کم علامت ہے۔ اسلام اور غلامی دو متضاد چیزیں ہیں جو کبھی یک جا جمع نہیں ہو سکتیں "

رام گڑھ کانگرس اور مولانا آزاد کا خطبہ صدارت | "فرمایا میں مسلمان ہوں اور فخر سے اعلان کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں کہ اسلام کی تیرہ سو سالہ روایتیں میرے حصہ میں آئی ہیں۔ میں یہ نہیں کرسکتا کہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ ضائع کر دوں۔ اسلام کی تاریخ، اسلام کی تعلیم، اسلام کی دولت، اسلام کے جملہ اصول، اسلام کی تہذیب میری دولت ہے اور یہ میرا فرض ہے کہ میں اس کی حفاظت کروں۔ مذہبی اور ثقافتی دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں۔ میں برداشت نہیں کرسکتا کہ اس میں کوئی کسی قسم کی مداخلت کرے"۔

دہلی میں کانگرس کا خاص اجلاس | دہلی میں کانگرس کے خاص اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ تمام لوگوں کے خلاف اپنی صدا بلند کروں جو ہندو سنگھٹن تحریک کے علمبردار ہیں۔ آج کسی سنگھٹن کی ضرورت نہیں۔ جو ہندوانہ تحریک کی تائید کرتے ہیں مجھے ان کی حیثیت سے انکار ہے"۔

شدھی کے متعلق فرمایا۔

"اگر ہندوستان میں اس قسم کی صدائیں اٹھتی رہیں تو کامیابی محال ہے"۔

تحریک آزادی، اشتراک قومی | تحریک آزادی میں دونوں قوموں کے اشتراک کے سب قائل تھے جس کے لئے قائد اعظم نے بھی کوشش کی مگر ہندو تعصب کی وجہ سے ناکام رہے اور آخر ان کو ماننا پڑا کہ دونوں قوموں کا حل تقسیم ملک ہی ہے۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے ۱۶ مئی کی سکیم منظور کرکے اس امر کی راہ بھی پیدا کی کہ شاید دونوں قومیں باہمی اشتراک سے رہ سکیں۔ مگر ہندو اس پر بھی تیار نہ ہوتے اور تقسیم پر ہندو نے اس لئے صاد کیا کہ شاید اس سے احیاء پاکستان جو نصف پنجاب اور نصف بنگال پر مشتمل ہوگا۔ کامیاب نہ ہوسکے گا۔ مولانا آزاد صوبوں کی تقسیم کے قطعی مخالف تھے اور ہندو عزائم کے قطعی خلاف تھے۔

وفات | اس عبقری زمانہ کی وفات حسرت آیات فالج کے حملہ سے ہوئی میں نے اپنی اسی بیاض میں آپ کے دستخط کے نیچے یہ نوٹ لکھا ہوا ہے۔

"۲۰-۳-۵۸ آج صبح انڈیا ریڈیو نے حضرت مولانا آزادؒ پر فالج کے حملہ کی المناک خبر سنائی"۔

باقی ص ۱ پہ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

تبرکات و نوادر

غیر مطبوعہ خطوطِ مشاہیر

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ

شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند

بنام :- مولانا الحاج میاں مسرت شاہ کاکاخیل رح

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے یہ تینوں خطوط آج سے ۵۰، ۵۵ سال قبل مولانا الحاج میاں مسرت شاہ کاکاخیلؒ فاضل دیوبند ساکنہ حکمت آباد سرڈھیری کے نام لکھے گئے۔ موصوف علمی و دینی حلقوں کی ایک جانی پہچانی شخصیت اہل علم اور مدارس عربیہ کے خیر خواہ و غمگسار اور ملی جذبات سے سرشار تھے۔ آخر وقت تک دار العلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین رہے۔ ان خطوط کے لئے ہم موصوف کے عالم باعمل فرزند مولانا سید ولایت شاہ کاکاخیل فاضل دیوبند کے ممنون ہیں۔

(الحق)

محترم المقام زید عنایتکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ والا نامہ باعث سرفرازی گردید۔ از مژدۂ صحتوری مزاج وہاج جناب والد ماجد صاحب بسیار مسرور گشتیم۔ از افضال الٰہی لامتناہی امیدوار ہستیم کہ آں کریم کارساز شافی مطلق اوشاں را بزودی صحت کلیہ و قوت تامہ عطا فرماید بحرمۃ النبی علیہ السلام والہ الامجاد۔ آمین

بخدمت شاں و دیگر احباب و اکابر پرسان حال از ما بسیار بسیار سلام و دعا برسانید ہیچ چیز از آنجانب، بجز دعوات صالحہ آں بزرگان ضروری نیست۔ البتہ اگر ممکن باشد و تکلیفے عارض نشود، دو درخت گلاب دیسی کہ خوشبوئش زائد تر باشد و از اعلیٰ اقسام باشد و دو درخت بید مشک در گملہ ہا بمعیت خود بیارید این چیزہا از باغبانان حاصل می شود۔ این ہمہ بصورت سہولت و امکان است اگر صعوبت باشد بگذارید۔

والسلام مع الاحترام۔ از دیوبند ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

اگر میسر شود عروقِ نرگس کہ مثل پیاز می باشد بست و پنج دانہ بیارید۔

ننگ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

لا تیئسوا من روح اللہ

محترم المقام زید مجدکم ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ والانامہ باعث سرفرازی ہوا ۔ والد ماجد دام بقاؤہ کے امتداد مرض سے تفکر لاحق ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے فضل وکرم سے وہ شافی مطلق ان کو شفاء کلی عنایت فرمائے ۔ آمین

درختوں سے متعلق کوئی حتمی تکلیف دینا منظور نہیں ہے ۔ اگر بآسانی ہوسکے فبہا ونعمت والا فلا ۔ اگر آپ کے باغ میں ننھے پودے موجود ہوں جنکی جڑیں دور تک زمین میں نہ پہنچی ہوں توان کو بھیج دیجئے مگر بڑے اور پرانے پودے اگر اوکھاڑے جائیں گے تو جڑیں کٹ جائیں گی اور پھر ان کا زندہ رہنا مشکل ہوگا ۔ چونکہ یہاں ابھی تک موسم برسات باقی ہے ۔ اس لئے زمین میں تری موجود ہے جو درخت اس وقت نصب ہوتے ہیں ۔ بحول اللہ تعالیٰ زندہ رہتے ہیں ۔ مگر ایک ماہ بعد بارش بالکل ختم ہوجائیں گی اس وقت میں درختوں کا موسم جاتا رہے گا ۔ گلاب کے صرف وہ اقسام چاہتا ہوں جو کہ خوشبو عمدہ رکھتے ہوں ۔ ولایتی گلابوں میں خوشبو نہیں ہوتی ۔ چونکہ میں نے سنا تھا کہ پشاور کی اطراف میں دیسی گلاب بہت خوشبودار ہوتا ہے ۔ اس لئے میں نے آپکو لکھا اگر ایسا نہ ہو بلکہ یہاں ہی جیسا گلاب ہوتا ہو تو اسکی حاجت نہیں ۔ ممکن ہے کہ شہر پشاور میں ایسے گملے کسی باغ میں موجود ہوں جن میں بید مشک کے پودے لگے ہوئے ہوں اور فروخت ہوتے ہوں ۔ اگر ایسے پودے نہ ملیں تو کچھ حرج نہیں ۔ آپ اپنے باغ کے ان پودوں کو احتیاط سے کھدوائیے مگر کم عمر ہوں ، ان کی جڑیں دراز ہوں اور پھر ان کی مٹی کو پھونس سے بندھوا دیجئے اور سب کو ایک ٹوکرے میں پھونس کے اندر کہہ کر مضبوط بندھوا دیجئے اور ریل میں بلٹی کر دیجئے ۔ چونکہ موسم برسات ہے ۔ اور مسافت بھی زیادہ دور نہیں ، فرنٹیر میل میں روانہ ہوجانے سے بہت جلد یہاں پہنچ جائے گا ۔ کرایہ ایسی چیزوں کا صرف آدھا دینا پڑتا ہے ۔ مگر پیشگی وصول کر لیا جاتا ہے ۔ مصارف جملہ میرے ذمہ ہوں گے ـــــ جناب والد ماجد صاحب دام بقاؤہ اور دیگر اعزہ واحباب سے سلام مسنون عرض کر دیں ۔ والسلام ۔

از دیوبند ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ ننگ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ والانامہ باعث سرفرازی ہوا ۔ آپکی مرسلہ بلٹی بمعہ پارسل موصول ہوئی تھی ۔ مگر آپ نے والانامہ میں اپنا پتہ نہیں لکھا تھا ۔ اس لئے اسکی رسید نہ لکھ سکا ۔ مجھ کو آپ کا پتہ یاد نہیں تھا ۔ درخت اسٹیشن پر بلٹی پہنچنے سے چھ دن پہلے پہنچ گئے تھے مگر اسٹیشن والوں نے خبر نہ کی بلکہ اس پر سرچارج

لگا دیا۔ جب آپ کا والانامہ ملا، تب اسی وقت اسٹیشن پہ آدمی گیا تو پارسل ملا درخت سب کے سب خشک ہو گئے تھے صرف ایک درخت سرسبز تھا۔ مگر خشکی صرف پتوں ہی پر تھی، شاخیں خشک نہیں ہوئی تھیں ان کی جڑوں میں چیونٹیوں نے انڈے بچے دیدیئے تھے۔ بہرحال اسی وقت ان کو نصب کر دیا گیا۔ ان میں سے چار درخت سرسبز ہو گئے ہیں اور دو ابھی تک سرسبز نہیں ہوئے، ممکن ہے کہ خشک ہو جائیں۔ نرگس صحیح وسالم تھا ان کو نصب کر دیا۔

جناب والد صاحب کی طرف سے فکر تھا۔ اگرچہ آپ نے تفصیلی حالت ان کی نہیں لکھی مگر یہ ضرور مفہوم ہوتا ہے کہ بحمداللہ ان کی طبیعت صحیح وسالم ہے۔ اللہ ان کے سایہ کو جو کہ فی الحقیقت ظل رحمانی ہے ہمیشہ قائم و دائم رکھے آمین۔ ان کی خدمت اقدس میں میرا سلام نیازمندانہ پہنچا دیجئے۔ اور استدعاء دعوات صالحہ عرض کر دیجئے۔

میرے پیر کی تکلیف عرصہ ہوتا ہے کہ بفضلہ تعالیٰ زائل ہو گئی۔ اگرچہ ممتد زمانہ تک چلتی رہی مگر کوئی زیادہ تکلیف نہ تھی۔ اسعد بحمداللہ تعالیٰ بخیروعافیت ہے۔

برخوردار نورِ چشم کی وفات حسرت آیات سے صدمہ ہوا طبعی بات ہے کہ والدین کو عموماً اور والدہ کو خصوصاً ان بچوں کی مفارقت کا سخت صدمہ ہوتا ہے۔ مگر عقلمندی کی بات یہ ہے کہ عواقب پہ نظر ڈالی جائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (جو کہ صحیح سند سے مروی ہے) کہ جس عورت کے اور دوسری روایت میں ہے کہ جن مرد و عورت یعنی والدین کے تین بچے یا دو بچے صغر سنی میں وفات کر جائیں وہ ماں اور باپ کے لئے دوزخ سے حجاب ہو جائیں گے۔ اس لئے مسلمان ماں باپوں کیلئے اس سے بڑھ کر کیا خوش نصیبی ہو سکتی ہے کہ ان کے لئے عذاب دوزخ سے بچنے کا اللہ تعالیٰ نے سامان مہیا فرما دیا ہو۔ دنیا میں یہ اولاد زندہ رہتی تو نہ معلوم صالح ہوتی یا طالح ماں باپ کی مطیع و فرمانبردار ہوتی یا نافرمان مستحق جنت ہوتی یا مستحق نار۔ اس کے اعمال قبیحہ سے ماں باپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں یا دن رات کی پریشانی حاصل ہوتی۔ مگر جو اولاد صغر سنی میں وفات کر گئی یقیناً خود جنت میں بھی گئی اور ماں باپ کو بھی جنت میں لے گئی۔ لہٰذا نہ صرف صبر کرنا چاہیئے بلکہ شکر اور حمد و ثنا کرنا چاہیئے۔

آپ کو معلوم ہے کہ کسی امانت کو روکنا یا روکنے کی خواہش کرنا سخت ترین جرم ہے۔ اور اگر مالک امانت کو امانت واپس نہ دی جائے تو خیانت لازم آتی ہے۔ یقیناً چونکہ ہم ماں کے پیٹ سے بجز اپنے نفوس کے کوئی چیز ہمراہ نہیں لائے تھے۔ دنیا میں جو کچھ ہم کو حاصل ہوا وہ محض فضل و انعامِ الٰہی ہے۔ جو بطور امانت کچھ عرصہ کے لئے ہم کو دیا گیا ہے۔ اگر مالک ہم سے ان اشیاء کو واپس لیتا ہے۔ تو رنج و غم کرنا، واپسی کیلئے تیار نہ ہونا انتہائی خیانت ہو گی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ حضرت امِّ سلیمؓ کا بچہ بعد از مغرب جبکہ ان کے شوہر ابوطلحہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے ہوئے تھے، فوت ہو گیا۔ انہوں نے اس کو نہلایا کفنایا اور ایک طرف گھر میں رکھ دیا اور پھر خود نہائیں کپڑے بدلے خوشبو لگائی، عشاء کی نماز وغیرہ سے فارغ ہوئیں۔ ابوطلحہؓ تشریف لائے۔ بچہ

سے ان کو بہت زیادہ محبت تھی۔ بچہ کی بیماری کی حالت پوچھی انہوں نے فرمایا کہ پہلے کی نسبت بہت سکون کی حالت میں ہے۔ وہ خوش ہوئے اور سمجھے کہ بیماری میں تخفیف بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ حضرت ام سلیمؓ نے کھانا پیش کیا، نہایت اطمینان سے کھایا اور اطمینان سے شب کو آرام کیا اور ہمبستری کی، صبح کو جب نہا دھوکر نماز کو جانے لگے تو ام سلیمؓ نے فرمایا کہ ہمسایوں کی میرے پاس امانت ہے وہ اسکو طلب کرتے ہیں۔ میرا جی واپس کرنے کو نہیں چاہتا آپ کی کیا رائے ہے انہوں نے سختی سے فرمایا کہ امانت واپس کرو۔ ہرگز لیت ولعل مت کرو۔ یہ بہت قبیح بات ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بچہ جو کہ ہمارے پاس بطور امانت تھا۔ واپس لے لیا اسکو لے جاؤ دفن کردو۔ یہ جواب سن کر حضرت ابوطلحہؓ ششدر رہ گئے اور دفن کرنے کے بعد واقعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں نقل فرمایا۔ آپ بہت خوش ہوئے اور دونوں کے لئے بہت دعائیں دیں۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد ایک مبارک اور مقدس بچہ پیدا ہوا جو کہ خود بھی علم و عمل میں نہایت کامل ہوا اور اسکی اولاد بھی کثیر اور صاحب کمالات عظیمہ ہوئی۔

میرے محترم عنایت فرما! میں آپ سے اور آپ کی اہلیہ محترمہ اور والدین ماجدین سے پرزور استدعا کرتا ہوں کہ ہرگز جزع و فزع نہ فرمائیں اور قضاء و قدر پر خوشی سے راضی رہیں تاکہ واہب العطیات خوش ہوکر ہماری مغفرت فرمائے ہمارے لئے عذاب دوزخ سے نجات کا سامان مہیا فرمائے۔ ہمارے گناہوں کا کفارہ ظاہر ہو اور حسب ارشاد لئن شکرتم لازیدنکم نعم البدل عطا فرمائے۔ قضا و قدر پر راضی رہنا از بس ضروری ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذلک علی اللہ یسیر لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتاکم واللہ لایحب کل مختال فخور۔

میری طرف سے سب سے پرزور تاکید صبر و شکر کے لئے عرض کر دیجئے۔ مسلمان پر جو کچھ بھی رنج والم کی حالت وارد ہوتی ہے، کفارہ سیئات اور رافع درجات ہوجاتی ہے۔ لہٰذا مطمئن رہنا اور صابر بلکہ شاکر رہنا از بس ضروری ہے۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام از دیوبند ۲۵ / جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ

مولانا عزیر گلؒ[1] صاحب نوا کھالی سے استعفا دیکر چلے آئے ہیں۔ دیوبند ہی میں مقیم ہیں، ابھی تک کوئی صورت ملازمت کی نہیں ہوئی۔۔۔۔

ننگ اسلاف

حسین احمد غفرلہ

---

[1] اسیر مالٹا مولانا عزیر گل کاکاخیل مدظلہ

ایگل
ایک عالمگیر قلم
ہر جگہ دستیاب ہے
NO. 71
NO. T-584
NO. 71-A
EAGLE
IRIDIUM
A PRODUCT OF
AZAD FRIENDS
& CO. LTD.
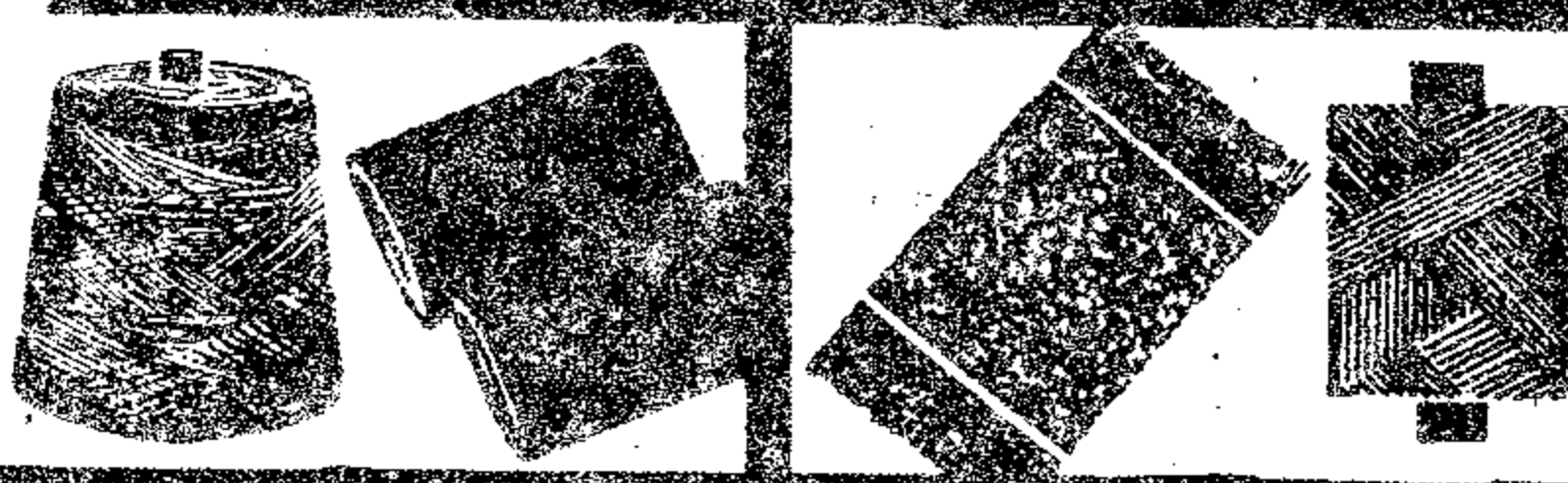
پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سُہراب

فوّارہ مارکہ
اعلیٰ قسم کا
سُوتی دھاگہ
سنگل اور فولڈڈ
۱۰ کاؤنٹ سے ۴۰ کاؤنٹ تک
ہنکس کے علاوہ کونز پر بھی دستیاب ہے
FOUNTAIN
BRAND
فوارہ مارکہ
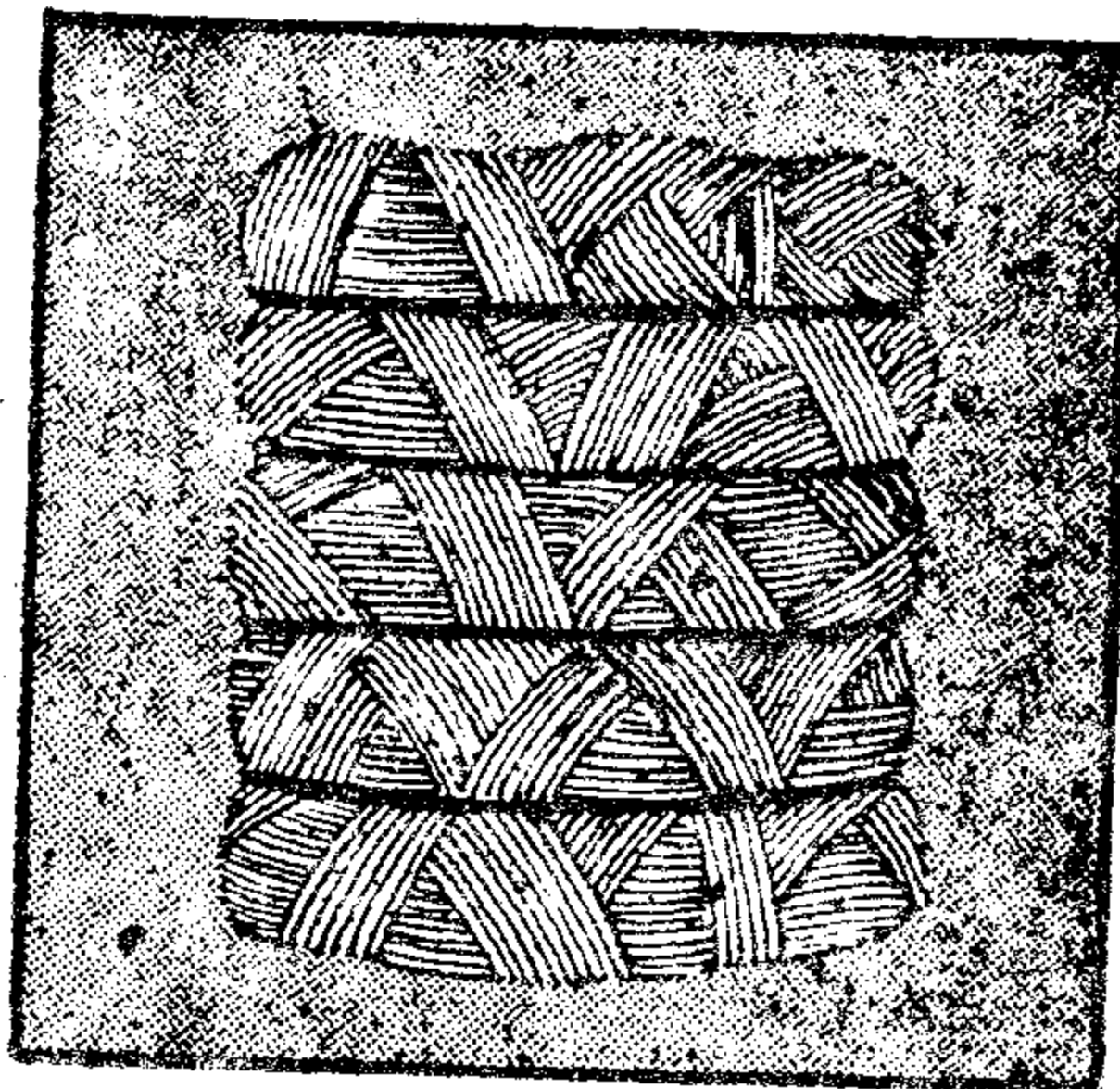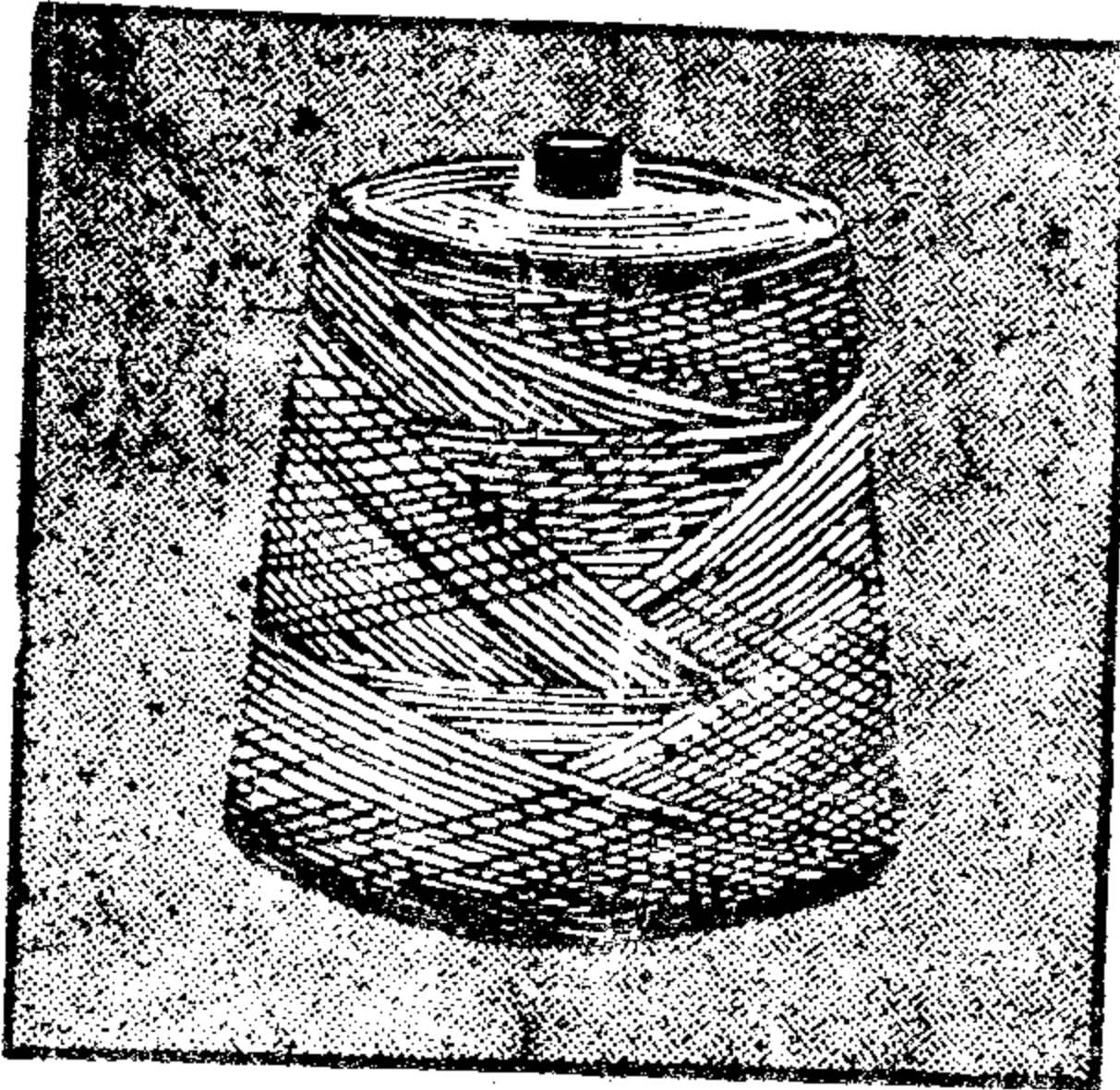
مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی
صدر کل ہند مسلم مجلس مشاورت ناظم ندوۃ المصنفین
دہلی

اسلام میں تعلیم قسط ۲

اسلام میں تعلیم کا دائرہ کسی ایک گوشہ میں محدود نہیں۔ بلکہ انسانی ضرورت کے تمام گوشوں پر حاوی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی ابتداء پڑھنے کے حکم (لفظ اقراء) سے ہوئی۔ جو آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئیں ان میں یہ حقیقت ظاہر کی گئی ہے کہ جس مادہ (جما ہوا خون جو نطفہ کے بعد کا درجہ ہے) سے انسان کی پیدائش ہوئی۔ اس کے اعتبار سے اگرچہ وہ کسی عزو شرف کا مستحق نہیں ہے لیکن علم کی بدولت وہ ترقی کی ہر منزل پر پہنچ سکتا ہے۔

اقراء باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقراء و ربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم (علق ۱)

اپنے رب کے نام سے پڑھئے جس نے پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھئے آپ کا رب نہایت کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا انسان کو؛ وہ سکھایا جو جانتا نہ تھا۔

اسی طرح انسان (آدم) کی پیدائش کے فوراً بعد فرشتوں سے امتحان مقابلہ کے ذریعہ یہ حقیقت بتائی گئی کہ حکومت و قیادت محض علم کی بدولت حاصل ہوتی ہے فرشتوں نے ان الفاظ میں اس کا اعتراف کیا۔

سبحٰنك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العلیم الحکیم (بقرہ ۴)

آپ کی ذات پاک ہے۔ ہمارے پاس وہی علم ہے جو آپ نے دیا ہے بیشک آپ علم والے حکمت والے ہیں۔

طالوت کے واقعہ میں یہ واضح کر دیا گیا کہ حکومت و قیادت کی اہلیت مال و دولت اور خاندان و نسل مذہب سے نہیں بلکہ علم کی فراوانی اور جسم کی طاقت سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے۔

وقال لهم نبيهم ان الله بعث لكم طالوت ملكا۔ قالوا انّی یکون له الملك علینا ونحن احق بالملك منه ولم یؤت سعة من المال قال ان الله اصطفه علیکم وزاده بسطة فی العلم والجسم (بقرہ ۳۲)

ان کے نبی نے کہا اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو حکمراں مقرر کیا ہے۔ انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کو ہم پر حکمرانی مل جائے حالاں کہ اس سے زیادہ حکمراں ہونے کے ہم حقدار ہیں۔ نیز یہ کہ اس کو مال و دولت کی وسعت حاصل نہیں ہے۔ نبی نے یہ سن کر کہا

اللہ نے طالوت کو علم پر بزرگی عطا فرمائی اور علم کی فراوانی
اور جسم کی طاقت۔ دونوں میں اسے وسعت دی ہے۔

ہر دور میں قوت و طاقت کے لئے علم کا جو معیار ہو۔ اس کی مطابقت ضروری ہے

بات صرف علم پر نہیں ختم ہوتی۔ بلکہ ہر دور کے لحاظ سے قوت و طاقت کے لئے علم کا جو معیار ہے اس کے مطابق علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ مثلاً سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ اس میں حکومت و قیادت کے لئے "پیمانہ" موجودہ معیار کے مطابق ہونا چاہیئے۔

قرآن حکیم میں لفظ "قوت" اور "الحدید" کا جس انداز سے تذکرہ ہے۔ اس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ قوت و طاقت کے سامان اور افادی صلاحیتوں میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہے گا جس کا ساتھ دیئے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔

واعدو لھم ما استطعتم من قوۃ　　(انفال ۷)
جب استطاعت قوت و طاقت کے سامان پیدا کر کے تیار رہو۔

دوسری جگہ ہے؛

وانزلنا الحدید فیہ باس شدید و منافع للناس　　(حدید ۲)
اور ہم نے لوہا اتارا (نکالا) جس میں سخت سزا اور لوگوں کے لئے کثیر منافع ہیں۔

احادیث سے دونوں قسم کی تعلیم کا ثبوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف انداز سے علم کی طرف توجہ دلائی۔ مثلاً:-

بعثت معلماً[1] میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

قلم (ذریعۂ علم) کے بارے میں فرمایا۔

ان اول ما خلق اللہ القلم[2]۔ اللہ نے پہلے قلم کو پیدا کیا۔

علم کا خاصہ ترقی و سربلندی بیان کیا۔

ان الحکمۃ یزید الشریف شرفاً و ترفع المملوک حتی یجلسہ مجالس الملوک[3]
بیشک "حکمت" شریف کی شرافت میں اضافہ کرتی اور پست لوگوں کو ترقی دے کر بادشاہ کی مجلسوں میں بٹھاتی ہے

---

[1] ابن عبدالبر: جامع بیان العلم ج ا۔ و مشکوٰۃ کتاب العلم۔ الفصل الثالث [2] مشکوٰۃ۔ باب الایمان بالقدر الفصل الثالث [3] جامع بیان العلم ج ا باب الاحد الا فی اثنتین۔

علم کو قوموں کی قیادت اور ان کے نقش قدم کی اتباع کا سبب قرار دیا۔

السلاح على الاعداء والزين عند الاخلاء يرفع الله به اقواما فيجعلهم في الخير قادة وائمة تقتص آثارهم ويقتدى بافعالهم وينتهي الى رائهم[1]

علم دشمن کے مقابلہ کے لئے ہتھیار اور دوست کے لئے زینت ہے اللہ اس کے ذریعہ قوموں کا درجہ بلند کرتا اور ان کو قائد و پیشوا بناتا ہے جن کے نقش قدم اور کام کی اتباع کی جاتی ہے۔ نیز ان کی رائے آخری تسلیم کی جاتی ہے

علم کا دائرہ نہایت وسیع کیا اور کسی ایک (دینی یا دنیوی) دائرہ میں اس کو محدود نہیں رکھا۔

الكلمة الحكمة ضالة الحكيم فحيث وجدها فهو احق بها[2]

حکمت و دانائی کی بات حکیم کی گم شدہ پونجی ہے جہاں بھی وہ ملے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔

| رسول اللہ صلعم نے ہر مفید علم کے لئے دور دراز سفر کرنے کی تاکید فرمائی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مفید علم حاصل کرنے کے لئے دور دراز سفر کی تاکید فرمائی۔ اور اس راہ میں کسی قسم کا تعصب گوارا نہ کیا۔

اطلبوا العلم ولو بالصين[3] علم حاصل کرو اگرچہ چین میں ملے۔

اس حدیث کو سند کے لحاظ سے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے[4]

لیکن اس کا مفہوم خلاف قیاس نہیں ہے۔ کیونکہ عرب اور چین کے درمیان بعد المشرقین ہے۔ مگر عرب کی بندرگاہوں میں چینی جہازوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ اور بعض شہروں میں چینی مال فروخت ہوتا تھا۔

مسعودی نے لکھا ہے۔

ان مراكب الصين كانت تاتى بلاد عمان وسيراف وساحل فارس وساحل البحرين الخ[5]

چینی جہاز عمان، سیراف، فارس اور بحرین کے شہروں اور بندرگاہوں میں آتے تھے۔

دبا (عمان میں) کے بارے میں ابن حبیب نے لکھا ہے۔

ثم سوق دبا وهي فرضتي العرب ياتيها تجار السند والهند والصين واهل المشرق والمغرب فيقوم سوقها آخر يوم من

دبا ایک بندرگاہ تھی۔ رجب کے آخری دن وہاں بڑا بازار لگتا تھا۔ جس میں سندھ۔ ہندوستان۔ چین اور مشرق و مغرب کے تاجر آتے تھے۔

---

[1] ابن عبد البر جامع بیان العلم باب جامع فی فصل العلم [2] ترمذی و ابن ماجہ و مشکوٰۃ کتاب العلم [3] ابن عبد البر، جامع العلم باب طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم [4] بیہقی، مدخل۔ [5] مسعودی، مروج الذہب و معادن الجوہر الباب الخامس عشر ذکر ملوک الصین والترک

رجب[۱]

رسول اللہؐ نے اپنے زمانہ کے اہم ترین جنگی اسلحے استعمال کیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اہم ترین آلات حرب یہ تھے۔

دبابہ۔ یہ خاص قسم کی گاڑی تھی جو تیر سے حفاظت کے لیے موٹا چمڑہ منڈھ کر بنائی جاتی اور قلعہ شکنی کے لیے استعمال کی جاتی تھی[۲]

ضبر۔ لکڑی پر کھال منڈھ کر چھتری کی طرح بنائی جاتی جس کے ذریعہ پیٹھ کی تیر سے حفاظت ہوتی تھی۔[۳]

منجنیق۔ یہ جنگی ہتھیار تھا جس کے ذریعہ وزنی پتھر دشمنوں کی طرف برسائے جاتے تھے[۴]

حسک۔ یہ ایک خاردار گھاس (گوکھرو) کی شکل کا ہتھیار جس کو قلعہ اور لشکر کے چاروں طرف بکھیر کر راستہ کو مخدوش کیا جاتا تھا[۵]

منجنیق سب سے پہلے اللہ کے رسولؐ نے چلائی اور حسک آپ نے بکھیری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برآمد کر کے غزوہ طائف میں استعمال فرمایا[۶] بلکہ منجنیق سب سے پہلے خود آپؐ نے چلائی۔ اور حسک آپؐ نے بکھیری۔ ابن ہشام کا بیان ہے۔

حدثنی من اثق بہ ان رسول اللہ اول من رمی فی الاسلام بالمنجنیق رمی اھل الطائف[۷]

جس شخص پر میں اعتماد کرتا ہوں اس نے یہ مجھ سے بیان کیا کہ اسلام میں سب سے پہلے طائف والوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منجنیق چلائی۔

مقریزی کہتے ہیں:۔

ونصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المنجنیق علی حصن الطائف[۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے قلعہ پہ منجنیق نصب کی۔

دوسری جگہ ہے:۔

ونثر رسول اللہ الحسک حول الحصن[۹]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلعہ کے گرد حسک بکھیری جس منجنیق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال کیا تھا اس کے بارے میں مختلف قول ہیں۔ بعض کے نزدیک وہ باہر

---

[۱] ابن حبیب المحبر اسواق العرب المشہورة فی الجاہلیة وما یتعلق بہا [۲] ابو القاسم عبد الرحمن السہیلی الروض الانف شرح سیرة النبویہ لابن ہشام فصل ذکر تعلیم اہل الطائف [۳] ایضاً [۴] لسان العرب [۵] القاموس المحیط [۶] تقی الدین احمد بن علی مقریزی امتاع الاسماع حصن الطائف [۷] ابن ہشام السیرة النبویہ ذکر غزوة الطائف [۸] تقی الدین احمد علی مقریزی۔ امتاع الاسماع حصن الطائف [۹] ایضاً

سے منگایا گیا تھا۔ اور بعض کے نزدیک حضرت سلمان فارسیؓ نے اس کو بنایا تھا[1]۔

طائف فتح ہونے کے بعد ۹ھ میں عروہ بن مسعود ثقفیؓ اور غیلان بن سلمہ ثقفی نے اسلام قبول کیا اور جرش جا کر مذکورہ ایجادات میں مہارت حاصل کی تھی۔

لم یشھد حنین ولا حصار الطائف عروہ بن مسعود ولا غیلان بن سلمۃ کانا بجرش یتعلمان صنعۃ الدبابات والمجانیق والضبورۃ[2]

عروہ بن مسعود ثقفیؓ اور غیلان بن سلمہ ثقفی حنین اور طائف کے محاصرہ میں موجود نہ تھے۔ یہ دبابہ منجنیق اور ضبر کی صنعت سیکھنے جرش گئے تھے۔

جرش میں ہتھیار سازی کا کارخانہ تھا جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوا

"جرش" دمشق کے مضافات میں ایک شہر تھا جو اس وقت کی دوسری بڑی طاقت تھا۔ روم کے قبضہ میں تھا۔ اس میں ہتھیاروں کا بڑا کارخانہ تھا۔ شرجیل بن حسنہ نے حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں اس کو فتح کیا تھا۔

وکانت اذ ذاک فی ید الروم وفتحھا شرجیلؓ بن حسنۃ فی زمان عمر بن الخطاب[3]

اس وقت "روم" کے قبضہ میں تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ شرجیلؓ نے اس کو فتح کیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار سازی کے علم میں بھی ترقی کرتے رہنے کی طرف توجہ دلائی

جرش فتح ہونے کے بعد ہتھیار سازی کا کارخانہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ تو انہوں نے اس کو ترقی دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف انداز میں فنون حرب سیکھنے کی ترغیب دلاتے تھے۔ ایک موقع پر فرمایا۔

من علم الرمی ثم ترکہ فلیس منا[4]

جس نے تیر اندازی سیکھی، پھر اس نے چھوڑ دیا ہم میں سے۔

دوسری جگہ ہے۔

ان اللہ یدخل بالسھم الواحد ثلثۃ نفر الجنۃ صانعہ یحتسب فی صنعتہ الخیر والرامی بہ ومنبلہ[5]

اللہ ایک تیر کے ذریعہ تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے بنانے والا جو طالب ثواب ہو۔ چلانے والا اور اٹھا کر دینے والا۔

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ تعلیم کا دائرہ کسی ایک گوشہ میں محدود نہیں ہے بلکہ انسانی ضرورت کے تمام گوشوں پر چھا دی ہے۔

---

[1] تقی الدین احمد بن علی مقریزی امتاع الاسماع حصن طائف [2] ابن ہشام السیرۃ النبویہ ج ۳ ذکر غزوہ الطائف بعد حنین فی سنۃ ثمان والروض الانف فصل ذکر تعلیم اہل الطائف [3] امتاع الاسماع منزل رسول اللہ بالجرج حاشیہ ۲ ۲ ۴ [4] مسلم ومشکوٰۃ باب اعداد آلۃ الجہاد [5] ترمذی وابن ماجہ ومشکوٰۃ باب اعداد آلۃ الجہاد

جناب ڈاکٹر پروفیسر حمید اللہ صاحب ۔ فرانس

استدراک

تصحیح اغلاط

اکتوبر کے شمارہ میں "اسلامی مملکت" کا دستوری تصور اور اسلامی دستور کے عنوان سے شہرہ آفاق اسلامی سکالر و محقق علامہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب فرانس کا مقالہ شائع کیا گیا تھا۔ یہ مقالہ آپ نے اسلام آباد کی نفاذِ شریعت کانفرنس میں پڑھا تھا۔ مسودہ ٹائپسٹوں نے غلط سلط ٹائپ کیا تھا۔ ہماری کوشش کے باوجود حسب ذیل اغلاط رہ گئیں۔ ہم جناب فاضل مقالہ نگار کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اغلاط نامہ ارسال فرمایا۔ (ادارہ)

مخدوم محترم !

سلام مسنون و رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ اپنے مؤقر رسالہ سے مجھے نوازتے ہیں۔ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ کا شمارہ ابھی ابھی پہنچا ممنون ہوا۔ اس میں میرا ایک مقالہ بھی شامل کرکے میری عزت افزائی فرمائی گئی ہے۔ اس سلسلے میں دو امور پہ ادب سے توجہ دلاؤں گا۔

۱۔ مدیر کے نوٹ میں شروع میں لکھا گیا ہے کہ "اس مضمون کے بعض مقامات پہ اظہار خیال کی گنجائش ہے"۔ اگر اس کی تفصیل فرمائی جاتی۔ یا فرمائی جا سکے۔ تو میرے لئے استفادے کا باعث ہو۔

۲۔ طباعت کی غلطیاں بہ کثرت رہ گئی ہیں۔ اہم مقامات کی نشاندہی کرتا ہوں۔ مناسب ہو تو آئندہ کسی نمبر میں چھاپ دیجئے کہ علم کی خدمت ہوگی۔

صفحہ	سطر	مطبوع	صحیح
۸	۱۳	بھیج دیا اس پہ	بھیج دیا۔ پھر توبہ قبول ہوئی۔ اس پہ
۹	۸	ہبوط کے معنے جاننے کے ہیں۔	ہبوط کے معنے جانے کے ہیں۔

صفحہ	سطر	مطبوع	صحیح
۹	۲۰	بکار خود خود	بکار خود۔
۱۰	۱۴	معجزہ تھا اور ایک معجزہ تھا۔	معجزہ تھا۔
۱۱	۴	عدل فرماتے ہیں۔	عمل فرماتے ہیں
۱۱	۲۵	یہودیوں	یہودیوں سب نے
۱۲	۱	تیس قبیلے	تین قبیلے
۱۲	۷	بین نامی مقام	ینبع نامی مقام
۱۲	۱۹	سن ہجری میں	سنہ ھ میں
۱۳	۵	عاقل	معاقل
۱۳	۲۰	تشریح	تشریع
۱۳	۲۴	قریتہ	قریۃ
۱۴	۱۲	عین مدت	معین مدت
۱۶	۳	تحکم ---- براٗی	(بم تحکم ؟ بکتاب اللہ۔ فان لم تجد ؟ فبسنۃ رسول اللہ فان لم تجد ؟ اجتہد برأ۔ یی ولا آلو۔)
۱۷	۱۰	کنفنیکٹ	کنفلکٹ
۱۸	۱۲	بندرگاہ تک جا پہنچ سکیں	بندرگاہ جار تک پہنچ سکیں
۱۸	۱۴	اسلامی کا	اسلامی معاونت کا۔
۱۹	۲	اگر یہ لوگ	اکثر یہ لوگ
۱۹	۱۳	استدلال بحث طلب ہوجاتی ہے	استدلال بحث طلب ہوجاتا ہے۔

نیازمند۔ محمد حمید اللہ
۲۸ محرم الحرام سنہ ۱۳۸[illegible]ھ

جناب احمد خان ایم اے

اندلس کے ایک متمول گھرانے کا کتب خانہ

چوتھی صدی ہجری میں اندلس کے تقریباً ہر شہر میں علماء کی اچھی خاصی تعداد تھی اور ان کے شخصی کتب خانے بھی تھے مگر قرطبہ اس لحاظ سے تمام شہروں میں فضیلت رکھتا تھا۔ کیونکہ یہاں کئی علمی گھرانے آباد تھے جن کے اپنے کتب خانے برسوں سے قائم تھے۔ یہاں کے اہل علم وفضل اور متمول خاندانوں میں بنو فطیس کا مقام سب سے اونچا ہے۔ یہ خاندان قرطبہ کی سیاست میں بھی کافی دخیل تھا۔ یہاں تک کہ مستنصر باللہ الحکم ثانی (ابتدائے حکومت ۳۵۰ھ) جس وقت سریر سلطنت پر بیٹھے تو ایک عام اجتماع میں اسی خاندان کے ایک فرد نے بادشاہ کے قائم مقام کی حیثیت سے تمام لوگوں سے بیعت لی[1]۔ علم وفضل میں بھی اس خاندان کے لوگوں نے بہت نام پیدا کیا۔ ان میں عبدالرحمٰن بن محمد بن عیسیٰ ابن فطیس کا نام سرفہرست ہے۔ تمول و دولت کے بل پر اس خاندان نے قرطبہ میں ایک الگ محلہ "درب فطیس" کے نام سے برسوں سے آباد کر رکھا تھا۔ جس کا ہر مکان اسی خاندان کی ملکیت تھا۔ اپنی ایک شاندار مسجد تھی۔ اس سے ملحقہ ایک عظیم عمارت تھی جس میں علمی پیاس بجھانے کے لئے ایک بہت عمدہ کتب خانہ قائم کر رکھا تھا۔ یہ عمارت خاص طور پر اسی مقصد کے لئے بنائی گئی تھی۔

یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ اس کتب خانے کی بنیاد کب رکھی گئی تاہم اتنا واضح ہے کہ ابوالمطرف عبدالرحمٰن بن محمد کے عہد میں یہ کتب خانہ اپنی شان جلالت کے اعتبار سے قرطبہ کے تمام کتب خانوں سے بڑا تھا۔ اس کتب خانے کی تفصیل میں جانے سے قبل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے آخری مالک، جس کے عہد میں اسے چار چاند لگے ہیں، کے

---

[1] المقری: نفح الطیب، ط لیڈن۔ ۱۸۶۰ء۔ ج ۱ ص ۲۵۱ فقصد الوزراء والوجوه .... الا عیسیٰ بن فطیس فانہ کان قائما یاخذ البیعۃ علی الناس۔

بارے میں کچھ تھوڑی سی تفصیلات معلوم کر لی جائیں۔ تاکہ یہ بات پوری طرح منکشف ہو سکے کہ صاحب کتب خانہ کس علوم مرتبت کا حامل تھا کیونکہ اس سے اندازہ لگا کہ کتب خانے کے بارے میں کافی حد تک صحیح رائے قائم کی جا سکے گی۔

صاحب کتب خانہ

عبدالرحمٰن بن محمد بن عیسیٰ بن فطیس بن اصبغ بن فطیس قرطبہ میں ۳۴۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ابوالمطرف ان کی کنیت تھی۔ اس زمانے کی مروجہ تعلیم کے مطابق علم حدیث بہت جلد حاصل کر لیا۔ اس مقصد کے لئے اندلس کے مختلف شہروں میں کبار محدثین سے استفادہ کیا۔ البتہ اندلس سے باہر جانے کا ذکر نہیں ملتا۔ اندرونِ ملک جن علماء و محدثین سے حدیث سنی۔ ان سے ساری روایات لکھ بھی لیں۔ علاوہ بریں ابوالمطرف ان حضرات سے بھی مستفید ہوئے جو مشرقی ممالک میں سے قرطبہ میں آئے تھے[1]

ان کے علم اور صلابت فی الحق کا شہرہ بہت جلد شاہِ وقت تک پہنچا۔ وزراء ان سے مشورے لینے لگے۔ نتیجے کے طور پر انہیں شرطہ اور محکمہ مظالم سپرد کیا گیا جسے خوش اسلوبی سے چلانے لگے[2]

علم حدیث میں بہت جلد ہی اونچے مقام پر فائز ہو گئے۔ علماء ان سے استفادہ کرنے لگے۔ ان کی علمیت کے بارے میں ابن بشکوال رقمطراز ہیں:

كان من جهابذة المحدثين وكبار العلماء والمسندين، حافظا للحديث وعلله، منسوبا الى فهمه واتقانه، عارفا باسماء رجاله ونقلته - يبصر المعدلين منهم والمجرحين. لهٔ عناية كاملة بتقييد السنن والاحاديث[3]

ابوالمطرف نہ صرف حدیث کے ماہر تھے بلکہ کئی اور علوم سے بھی بہرہ ور تھے کتاب الصلۃ میں ہے۔

وله مشاركة فى سائر العلوم وتقدم فى معرفة الاثار والسير والاخبار[4]

احادیث کی کتابیں نہ صرف پڑھیں بلکہ انہیں جمع بھی کرتے رہے۔

حدیث کے پڑھانے کا کام انہوں نے اپنی مسجد میں کیا ہے۔ جہاں بہت سے لوگ جمع ہو جاتے انہیں یہ صاحب زبانی درس دیتے اور وہ لوگ لکھ لیا کرتے۔ ابوعلی الغسّانی کی روایت سے معلوم ہوا ہے کہ ابوالمطرف حدیث لکھوا

---

[1] ابن بشکوال: کتاب الصلۃ: ط القاہرۃ، مکتبۃ الخانجی - ۱۹۵۵ء ج ۱ ص ۲۹۸

[2] ابوالحسن المصری علی بن عبداللہ النباھی: تاریخ قضاۃ الاندلس۔ ط القاہرۃ، دارالکاتب المصری ۱۹۴۸ء ص ۸۷۔ شوقی ضیف (محقق)

المغرب فی حلی المغرب ج ۱ ص ۲۱۱

[3] ابن بشکوال: کتاب الصلۃ ج ۱ ص ۲۹۸۔ [4] ایضاً

رہتے ہوتے اور لوگ سامنے بیٹھے لکھا رہے تھے[1]۔ علم حدیث میں شہرت کا یہ عالم تھا کہ اگرچہ انہوں نے مشرق کا سفر نہیں کیا۔ مگر مکہ۔ بغداد اور قیروان کے علماء نے بعض مسائل کی افہام و تفہیم کی غرض سے ان صاحب کے ساتھ خط و کتابت کی ہے[2]

ان کے تبحر علمی کی بدولت ہی حکومت کی جانب سے انہیں قرطبہ کے ایک گروہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔ ساتھ ہی جمعہ کی نماز اور خطبہ ان کے ذمے قرار پایا۔ کہتے ہیں یہ دونوں (قضاۃ اور خطابت) بیک وقت کسی قاضی میں جمع نہیں ہوئے یہ شرف صرف ابو المطرف کو حاصل ہے[3] یہ خدمت ان کے ذمے ابو المظفر عبد الملک بن ابی عامر کے قرطبہ میں گورنری کے ایام میں ۲۹ ذی الحجہ ۳۹۴ ہجری کو سپرد ہوئی۔ ان تمام کاموں میں سب سے بڑھ کر جس سرکاری خدمت کو یہ صاحب سرانجام دے رہے تھے وہ وزارت علیا میں شرطہ اور مظالم کے فرائض تھے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

یہ صاحب طبیعت کے اعتبار سے اگرچہ کافی سخت تھے اور حکومت کے انتظامی امور میں کافی ممد و معاون ہو سکتے تھے مگر بنیادی طور پر تھے علمی شخصیت اسی لئے تھوڑے ہی عرصے کے بعد سب سیاسی جھنجھٹوں سے ہاتھ جھاڑ کر علمی و دینی کاموں کے ہو رہے[4] درس و تدریس اور جمعہ کا خطبہ دیتے رہے۔ بالآخر یہ عظیم محدث اور محب کتب بربروں کے قرطبہ میں داخلے کے وقت نصف ذی قعدہ ۴۰۲ ہجری میں انتقال کر گئے۔ اور اپنی مسجد کے قریب خاندانی قبرستان میں اسی روز دفن ہوئے ان کی نماز جنازہ ان کے بیٹے ابو عبد اللہ محمد نے پڑھائی تھی۔

انہوں نے علوم القرآن۔ علوم حدیث اور تاریخ میں کافی تصانیف چھوڑی ہیں جن کی فہرست طوالت کے خوف سے یہاں نہیں دی جا رہی انہیں آپ ان کے سوانح نگاروں کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں[5]

کتب خانہ

جس عہد میں عبد الرحمن ابن فطیس نے آنکھیں کھولیں اس وقت قرطبہ کی گلی گلی میں کتب خانے قائم تھے

---

[1] ابن بشکوال: کتاب الصلۃ ج ا ص ۲۹۸ [2] ایضاً ص ۲۹۹۔ [3] ابو الحسن علی بن عبد اللہ النباہی تاریخ قضاۃ الاندلس ص ۸۰ [4] ابو الحسن علی بن عبد اللہ النباہی نے لکھا ہے کہ جب ان صاحب کو قضا اور جمعے کی نماز کا کام سونپا گیا تو باوصاف ہونے کے باوجود یہ صاحب اس عمل پر قائم نہ رہ سکے۔ اور استقامت و استقلال کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ اس لئے کہ جس شخص کی جگہ انہیں مقرر کیا گیا تھا وہ (ابن ذکوان) صاحب ان سے کہیں زیادہ اچھے تھے۔ اسی لئے لوگوں کو کافی افسوس چنانچہ نو ماہ دو دن کے بعد انہیں معزول کر دیا گیا۔ دیکھئے: ابو الحسن علی بن عبد اللہ النباہی: تاریخ قضا الاندلس۔ ط القاہرۃ دار الکاتب المصری ۱۹۴۸ء ص ۸۰

[5] ابن بشکوال: کتاب الصلۃ ج ا ص ۲۹۹۔۳۰۰ خیر الدین الزرکلی: الاعلام ط ثانی۔ ج ۴ ص ۱۰۱

لوگ خاندانی شکوہ اور علمی فضیلت کے اظہار کی خاطر بھی کتب خانے قائم کرتے تھے۔

ان کا کتب خانہ اگرچہ آباواجداد سے چلا آرہا تھا مگر وہ اس قدر توجہ کا مرکز نہ بن سکا جس قدر کہ ابوالمطرف کی زندگی میں ان صاحب کی علمی فضیلت اور تمول کی بدولت بن گیا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ یہ صاحب کئی علوم سے بہرہ ور تھے ان کی شہرت تقریباً تمام مسلم ممالک میں پھیل چکی تھی۔ کافی مال و دولت کے مالک تھے طبیعت بچپن ہی سے تصنیف و تالیف کی طرف مائل تھی۔ عام اصول و دستور کے مطابق ابتدائی تعلیم کی تحصیل کے دوران ہی انہوں نے احادیث کی بہت سی کتابیں اپنے ہاتھ سے نقل کر لی تھیں۔ علاوہ بریں ساری عمر حدیث لکھ کر اس سے علمی خدمت سرانجام دیتے رہے[1]

اللہ نے انہیں خط کی عمدگی و دلیعت کی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ کتاب کو باقاعدہ صحیح ترین شکل میں لکھنے کے عادی تھے۔ ابن بشکوال نے اس امر کی شہادت دی ہے کہ : کان حسن الخط و جید الضبط[2] کتابیں نقل کرنے اور ان کی تعداد میں کئی چند اضافہ کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اگرچہ حدیث کی تعلیم زبانی دیتے۔ مگر طلباء و علماء کو حکم دیتے کہ لکھ لیا کریں۔ چنانچہ ابن بشکوال نے لکھا ہے۔

وکان علی الحدیث من حفظه فی سجده وسنثل بین یدیه علی ما یفعله کبار المحدثین بالمشرق والناس یکتبون عنه[3]

اگرچہ یہ صاحب مشرقی ممالک میں نہیں گئے۔ مگر انہوں نے حدیثِ مشرق کا طرز درس و تدریس اختیار کر رکھا تھا کیونکہ اس انداز میں حدیث کی اشاعت کو بہتر خیال کرتے تھے۔ اس طریقے کے مطابق طالبانِ حدیث قلم دوات کے ساتھ مسجد میں حاضر ہوتے اور شیخ الحدیث کے تمام لیکچر لکھ لیا کرتے۔

اتنے بڑے علمی کام کی سرانجام دہی میں جو چیز ابن فطیس کو امداد پہنچا رہی تھی وہ ان کا کتب خانہ تھا جو ان کی اپنی نقل کردہ اور دیگر حضرات سے خریدی اور لکھوائی ہوئی کتابوں کا بہت بڑا مجموعہ تھا۔

کتب خانے کی عمارت

درب بنی فطیس کا محلہ قرطبہ کے اہم محلوں میں سے ایک تھا جس میں یہ علمی اور سیاسی خاندان برسوں سے رہائش پذیر تھا۔ یہاں انہوں نے محلے کی تمام ضروریات مہیا کر رکھی تھیں جن میں مساجد حمام اور دیگر عوامی حوائج کی چیز میسر تھیں۔ یہیں اس خاندان کے بڑے بڑے لوگوں کی ایک کافی وسیع عمارت تھی جس کے قریب ہی ایک مسجد تھی اسی مسجد سے متصل ان کے کتب خانے کی عمارت تھی۔ یہ عمارت خاص طور پر اسی کتب خانے کے لئے بنوائی گئی تھی۔

---

[1] ابن بشکوال : کتاب الصلۃ ج ا ص ۳۰۰　[2] ایضاً ۲۹۸　[3] ایضاً ص ۲۹۸ - ۲۹۹

اس کی تعمیر میں یہ بات مدنظر رکھی گئی کہ ایک خاص جگہ سے کتب خانے کی ساری کتابیں بیک وقت سامنے نظر آ سکیں[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بہت بڑا ہال تھا جس میں قطار اندر قطار الماریوں میں کتابیں لگی ہوئی تھیں ان صاحب کے ذوقِ جمال اور کتابوں سے خصوصی شغف نے اس عمارت کو کافی جاذبِ نظر بنا دیا تھا۔ پتہ نہیں کسی خاص وجہ سے ابوالمطرف کو سبز رنگ بہت پسند تھا چنانچہ انہوں نے کتب خانے کی پوری عمارت اندر سے اسی رنگ میں رنگ دی تھی۔ یہاں تک کہ دروازے، کھڑکیاں اور چھتیں بھی سبز کر دی گئی تھیں۔ علاوہ بریں کتب خانے کے اندر پڑا ہوا فرنیچر، پردے، گدے، تکئے اور فرش وغیرہ بھی اسی رنگ کے تھے۔ ابوالحسن علی بن عبداللہ النباہی نے اپنی کتاب تاریخ قضاۃ الاندلس میں ابوالمطرف کے اس کتب خانے کی عمارت کی تفصیل کچھ یوں دی ہے۔

وکان بداره مجلس عجیب الصنعۃ، حسن الآلۃ، ملبّس کلہ بالخضرۃ: جدرانہ و ابوابہ وسقفہ وفرشہ وستورہ ونمارقہ، وکل ذلک متشاکل الصفات، قد ملاہ بدفاتر العلم و دواوین الکتب التی ینظر فیہا ویخرج منہا وبہذا المجلس کان انسہ وخلوتہ[2]

کتب خانے کی عمارت کی تفصیل کا ان ادوار میں تراجم کی کتابوں میں وارد ہونا اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ یہ امر اپنی نوعیت اور قدر و منزلت کے اعتبار سے اس مقام پر تھا کہ ابوالمطرف کے سوانح نگاروں نے اسے خاص طور سے بیان کیا جب کہ بڑے بڑے جیّد علماء کی زندگیوں کے حالات صرف چند سطور سے زیادہ نہیں لکھے گئے چہ جائیکہ کسی عمارت کے بارے میں کچھ لکھا گیا ہو۔ اس عمارت کی اہمیت اور توصیف میں جو کلمات کہے گئے ہیں اس قدر الفاظ تو بڑے بڑے شاہی کتب خانوں کی عمارتوں کو بھی میسّر نہیں آ سکے۔

موجودات

اس دور میں کتاب کی نقل اور اس کا پھیلاؤ اس قدر آسان نہ تھا جس قدر آج کل کے چھاپہ خانے کے دور میں ہے۔ کتابوں کے اصل نسخوں کا حصول پھر ان کی نقلوں کی تیاری میں بہت سی دقتوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ کاغذ کا حصول تو بالکل ناممکن تھا اگر کہیں ملتا تو بہت مہنگا تھا۔ اس لئے اس دور کے حالات پڑھتے وقت ان مشکلات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

ابوالمطرف، جیسا کہ آپ نے اوپر دیکھا ہے۔ ساری عمر کتابیں لکھنے اور دوسروں کی کتابیں نقل کرنے میں لگے رہے ان کا خط بہت عمدہ تھا جو کچھ لکھتے اس کو باقاعدہ صحت کے ساتھ لکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کی نقل کردہ کتابیں صحیح ہونے

---

[1] فکر و نظر (ماہنامہ) جنوری ۱۹۷۳ء ص ۱۴۴ [2] ابوالحسن علی بن عبداللہ النباہی: تاریخ قضاۃ الاندلس: ص ۸۸

کے اعتبار سے بہت عمدہ سمجھی جاتی تھیں۔

ان کے کتب خانے میں کتابیں صرف حدیث پر ہی نہ تھیں جس طرح کہ عام طور پر ہوتا تھا کہ اگر کوئی صاحب محدث ہوتے تو ان کے ہاں صرف علوم حدیث سے متعلق کتابیں ہوتیں اور اگر عالم ادیب ہوتا تو صرف ادب و شعر کی کتابیں ہوتیں۔ مگر اس کے برعکس ابوالمطرف باوجود ساری عمر حدیث کی خدمت میں لگا رہا اسے پڑھاتا رہا نقل کرتا اور کرواتا رہا مگر اس علم میں عمیق نظر پیدا کرنے کی خاطر اس نے اس وقت کے مروجہ تقریباً تمام علوم کی کتابیں کر رکھی تھیں۔ یہ کتابیں صرف ان علوم کی بنیادی کتابوں Fundamentals پر مشتمل ہی نہ تھیں بلکہ اپنے فن اور مقدار کے اعتبار سے ابوالمطرف کا کتب خانہ اس وقت کے کتب خانوں سے گوئے سبقت لے گیا تھا۔ چنانچہ ان کی سوانح لکھنے والے سبھی حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ

له مشارکة فی سائر العلوم وجمع من الکتب فی انواع العلم مالم یجمعه احد من اهل عصره بالاندلس[1]

ان کی وہ عظیم عمارت ان کتابوں سے بھری ہوئی تھی جیسا کہ النباہی نے اوپر بیان کیا ہے۔ قد ملاۃ بدفاتر العلم و داوین الکتب۔

اس دور میں نادر اور مشاہیر اہل قلم کی تحریر کردہ کتابیں جس کتب خانے میں پائی جاتیں اس کے لئے ان کا وجود قابل فخر سمجھا جاتا تھا۔ لوگ ایسی کتابوں کے حصول کے لئے ہر دم کوشاں و سرگرداں رہتے تھے۔ چنانچہ ابوالمطرف کو جب کبھی اپنے مقرر کردہ آدمیوں کی معرفت یا کسی اور ذریعے سے علم ہوتا کہ فلاں عالم کے پاس کسی کتاب کا نادر نسخہ موجود ہے یا وہ بہت عمدہ لکھا ہوا ہے تو وہ پہلے تو اسے خریدنے کی سر توڑ کوشش کرتے۔ کئی گنا قیمت بڑھانا تو ان کی عام بات تھی۔ اس شخص کو منہ مانگے دام دینے پر رضامند ہو جایا کرتے تھے۔ اور اگر کسی طور بھی وہ صاحب اس کتاب کو بیچنے پر راضی نہ ہوتے تو اس کو کسی اور واسطے سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ اگر پھر بھی کامیاب نہ ہوتے تو کم از کم اس کتاب کی نقل حاصل کرنے یا دوسرے نسخوں سے اس کا مقابلہ کرنے کی اجازت ضرور حاصل کر لیتے تھے۔[1]

کتب خانے میں نئی نئی اور نادر الوجود کتابوں کی نقول کے لئے کئی وراق ملازم رکھے ہوئے تھے جو دن رات کام میں مشغول رہتے اور کتب خانے کی کتابوں میں اضافہ کرتے رہے۔

کتب خانے کا عملہ

اس کتب خانے کو بنانے میں اوروں کے علاوہ سب سے زیادہ ہمت تو خود ابوالمطرف نے صرف کی تھی۔ کیونکہ اپنے

---

[1] ابن فرحون: کتاب الدیباج المذہب؛ ط القاہرۃ، مطبعۃ السعادۃ ۱۳۲۹ھ

فکر و نظر (ماہنامہ) جنوری ۱۹۷۳ء ص ۴۱۵

ذوق کے مطابق وہ صاحب ساری عمر اسی کے لئے لکھتے اور لکھواتے رہے اس کے علاوہ ان کا دستور تھا کہ علماء کو علم حدیث لکھواتے۔ یقیناً اس کے نسخے اپنے ہاں بھی محفوظ کرتے تھے۔ اس سب پر مستزاد یہ کہ ان صاحب نے کتب خانے میں کتابوں کی نقل کرنے کے لئے چھ وراق باقاعدہ ملازم رکھے ہوئے تھے جنہیں حسب مراتب معقول تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ تاکہ وہ اطمینان سے یک سو ہو کر کام کر سکیں۔ اور عجلت کی وجہ سے جو اغلاط اور اسقام رہ جاتے ہیں ان کا خدشہ نہ رہے[51]

کتب خانے کی عظمت کا اندازہ لگانے کے لئے اس کے عملے کی طرف بھی دیکھا جاتا ہے اگر عمدہ قسم کے لوگ، عالم و فاضل اور کافی پڑھے لکھے ہوں تو وہ اس کتب خانے کی موجودات اور باقی امور میں علو مرتبت کی عمدہ دلیل ہوتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ ابو المطرف خود اس کتب خانے میں کام کرتے تھے جس کے علم و فضل کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے علاوہ اس کتب خانے میں کام کرنے والوں میں سے سب کا علم تو نہیں ہو سکا۔ البتہ ایک صاحب کا پتہ چلتا ہے۔ انہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ باقی عملہ کس درجے کا ہوگا۔ یہ صاحب مشہور و معروف محدث ابو عبد اللہ محمد بن عیسیٰ بن محمد بن معلی بن ابی ثور الحضری (۳۱۷ھ - ۳۹۶ھ) تھے۔

یہ عالم دراصل تھے تو بسطہ کے باشندے مگر قرطبہ میں آکر بس گئے تھے یہاں آنے سے قبل مروجہ علوم میں درک حاصل کر لیا تھا۔ بڑے بڑے علماء سے کسب فیض کیا ان کے بارے میں ابن بشکوال لکھتے ہیں:

وکانت له عناية كثيرة بسماع العلم وتقييده وروايته وكان رجلا صالحا ثقة وكان حسن الخط جيد الضبط وكان ينسخ للقاضي الرواية ابي المطرف بن فطيس كتبه ويقيد مقاله[52]

جب پہلے پہل قرطبہ میں آئے تو درب بنی فطیس ہی میں سکونت پذیر ہوئے۔ اسی محلہ کی مسجد میں امام مقرر کر دئے گئے اسی وجہ سے انہیں یہاں کے لوگوں میں ایک مقام حاصل تھا۔ ابن فطیس نے ان سے علوم حدیث کا درس لیا ہے چنانچہ اپنی کتابوں میں جہاں وہ حدثنا الحضرمی کہتے ہیں وہاں اس سے ابو المطرف کے یہ امام مراد ہوتے ہیں[53]

ان کا خط بہت عمدہ تھا۔ پوری صحت کے ساتھ کتابیں نقل کرتے تھے۔ ابو المطرف کی تقاریر بھی ضبط تحریر میں لایا کرتے تھے۔ اب اس کتب خانے میں یہ صاحب کتابوں کی فہرست بنانے اور خاص اور اہم کتابوں کی نقلیں تیار کرنے کا کام

---

۵۱ ابن بشکوال: کتاب الصلۃ۔ ج ا ص ۲۹۹۔ ابن فرحون۔ کتاب الدیباج المذہب ص ۱۵۰۔ فکر و نظر ماہنامہ جنوری ۷۳ء ص ۵۱۴ ۵۲ ابن بشکوال: کتاب الصلۃ ص ۴۵۶

۵۳ ابن بشکوال: کتاب الصلۃ ص ۴۵۷

کرتے تھے[1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو المطرف نے اپنے عملے میں کام کی تقسیم پورے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عملے کی لیاقت اور استعداد کے مطابق کر رکھی تھی۔

کتب خانے کی خدمات

چوتھی صدی ہجری میں یہ تصور کرنا کہ کسی شخص کا کتب خانہ عوام کے لئے آج کی طرح کافی ضرورتیں پوری کر رہا ہو گا۔ تو یہ خیال غیر مناسب ہے تاہم جو کام اس وقت کے وقف کتب خانے کرتے تھے تقریباً اس کے برابر خدمات یہ کتب خانہ سر انجام دے رہا تھا۔ چونکہ اس خاندان کے سبھی حضرات اس محلے میں مقیم تھے اجتماعی طور پر انہوں نے عوامی ضروریات کی جگہیں قائم کر رکھی تھیں جن میں مساجد درس وتدریس کے لئے مدرسہ اور یہ کتب خانہ شامل تھا۔ اس لئے وہ اس کتب خانے سے برابر استفادہ کیا کرتے تھے۔ یوں تو اس سے ابو المطرف بہت فائدہ اٹھایا کرتے۔ اکثر اس میں بیٹھے رہتے اور مطالعہ میں مشغول رہتے مگر باہر سے آنے والے علماء اور طالب علم بھی اس سے برابر مستفید ہو رہے تھے

اس عہد میں کتابوں کو مستعار دینے کا طریقہ عام تھا۔ وقف کتب خانوں میں تو کتابیں مستعار دی ہی جاتی تھیں بعض شخصی کتب خانوں میں بھی کتابیں دینے کو مستحسن سمجھا جاتا تھا۔ مگر بعض اہم کتابیں محفوظ رکھی جاتی تھیں۔ ابو المطرف کے پوتے ابو سلیمان ہمیں بتاتے ہیں کہ:

انّ القاضی جدہ کان لا یعیر کتابا من اصولہ البتہ[2]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ خاص اور اہم کتابیں جو اصول کا درجہ رکھتی تھیں انہیں تو وہ مستعار نہیں دیتے تھے البتہ دوسری کتابیں دے دیتے تھے۔ ایسی کتابیں جن کے حصول میں کامیابی کے بعد انہیں ضیاع کے خدشے کے پیش نظر کسی کو مستعار دینے کی مطلق اجازت نہیں دیتے تھے۔ اسی طرح اصول کی کتابیں بھی حتی الامکان مستعار نہیں دیتے تھے۔ مگر ایسی کتابوں کے بارے میں بھی اگر کوئی صاحب بضد ہوتے اور انہیں مستعار لینے پر مجبور کرتے تو ابو المطرف اس کتاب کو کتب خانے کے عملے سے دوسرا نسخہ نقل کرواتے اور اصل سے باقاعدہ مقابلہ کروا کر اسے دے دیتے تا کہ اصل کتاب محفوظ رہے[3] کیونکہ انہیں اس امر کا تلخ تجربہ تھا کہ مستعار لینے والے اکثر بھول جاتے ہیں یا جان بوجھ کر کتابیں واپس نہیں لوٹاتے۔ اس بات سے یہ امر تو واضح ہو گیا کہ ابو المطرف کے کتب خانے سے کتابیں عوام کو مستعار تو دی جاتی تھیں مگر اہم اور خاص کتابوں کے اصل نسخے دینے کی بجائے نقل کروا دیتے تھے۔ اگر وہ صاحب مستعار لی ہوئی کتاب واپس کر دیتے تو فبہا ورنہ وہ منقول نسخہ انہی صاحب کو عطا کر دیا جاتا تھا[3]۔ ان کے اس حسن سلوک سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔ کہ کتب خانوں میں قارئین کی سہولت کے لئے فوٹو گرافی یا نقول حاصل کرنے کے لئے دیگر جو خدمات آج

---

[1] فکر ونظر (ماہنامہ) جنوری ۱۹۷۳ء ص ۵۱۶ [2] ابن بشکوال: کتاب الصلۃ ج ا ص ۲۹۹ [3] ابن بشکوال: کتاب الصلۃ ج ا ص ۲۹۹

کی سرانجام دی جاتی ہیں۔ وہ اس وقت بھی ابوالمطرف اپنے کتب خانے میں قارئین کے لئے مہیا کئے ہوئے تھے۔

کتب خانے کا انجام

عروس البلاد قرطبہ بارہا اجڑا اور بسا۔ کئی علمی خزینے برباد ہوتے رہے اور پھر بنتے رہے۔ مگر بعض دفعہ ایسے حالات میں پیش آئے کہ جو کتب خانے برباد ہوئے۔ ان جیسے بعد کے ادوار میں قائم نہ ہو سکے۔ سیاسی زیر و بم اور ملکی ملکی بے ثباتی نے اکثر کتب خانے ختم کئے ہیں۔ ایسے حالات کی نذر ابوالمطرف کا کتب خانہ بھی ہوا تھا۔

پانچویں صدی کے بالکل ابتداء میں بربریوں نے جب اندلس میں طوائف الملو کی کو ختم کرنے کے لئے اقدام کئے تو ان ہنگاموں میں عوام کی بے چینی میں خاصا اضافہ ہوا۔ کیونکہ علمی و ثقافتی زندگی تقریباً معطل ہو گئی۔ چیزوں کی قیمتیں بے ہنگم طریقوں سے قائم ہونے لگیں۔ لوگ خوف کی بدولت گھروں میں محبوس رہنے لگے۔ اور معاش کے ذرائع مسدود ہونے لگے۔ تو اس صورت میں بنو فُطَیس کے حالات بھی پتلے ہو گئے۔ رمق حیات کو قائم رکھنے کے لئے ابوالمطرف کی وفات ۴۰۲ ہجری کے بعد یہ علمی خاندان اپنے آباؤ اجداد کے اس بیش بہا ورثے کو بیچنے پر مجبور ہو گیا۔

جس جگہ ابوالمطرف درس و تدریس کی مسند بچھایا کرتا تھا اور کتابیں لکھوانے کا کام کرتا تھا۔ بالکل اسی مسجد میں یہ لاثانی ذخیرہ لا کر ڈھیر کر دیا جاتا۔ اور قسط وار نیلامی کی صورت میں بکتا رہا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ابوالمطرف کی جمع کردہ کتابیں جید علماء کے ہاتھ سے تحریر کردہ تھیں۔ صحت اور ضبط تحریر کے اعتبار سے بہت اونچی تھیں۔ انہوں نے کئی کتابوں کے اصول جمع کر رکھے تھے۔ ایسے چنیدہ جواہر پارے خریدنے کے لئے تو ساری دنیا ٹوٹ پڑی ہو گی اور ایسے کوڑیوں کے بھاؤ خریدنے کی خاطر کافی عجلت کا مظاہرہ کیا ہو گا۔ مگر اس عجلت کے باوجود یہ عظیم ذخیرہ ایک سال تک اس مسجد میں بکتا رہا اور قرطبہ کے تقریباً سبھی باشندے اس کی خریداری کے لئے آتے رہے ابوالمطرف کے پوتے ابو سلیمان نے اپنے چچے اور خاندان کے دیگر افراد کے واسطے سے ہمیں بتایا ہے کہ

ان اھل قرطبۃ اجتمعوا لبیع کتب جدّہ ھذا مدّۃ عام کامل فی مسجدہ فی الفتنۃ فی الغلاء و انہ اجتمع فیہا من الثمن اربعون الف دینار قاسمیۃ[51]

اس بے چینی اور انتہائی سستے دور میں اس خاندان کو کتب خانے کے عوض چالیس ہزار سونے کے سکّے (دینار ذہبیہ) حاصل ہوئے جو ابن فرحون کے اندازے کے مطابق اس وقت بہ رقم تین لاکھ دراہم کے برابر تھی۔[52]

۵۱۔ ابن بشکوال: کتاب الصلۃ ج ۱ ص ۲۹۹ - ابن فرحون: کتاب الدیباج المذہب ص ۸۸

۵۲۔ ابن فرحون: کتاب الدیباج المذہب ص ۸۸

جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب (کراچی)

محدث و شیخ حضرۃ مولانا
سید فضل اللہ الجیلانیؒ

کچھ یادیں اور کچھ یادداشتیں

حضرت مولانا سید فضل اللہؒ امام طریقت غوث الاعظم قدس سرہ کی اولاد میں بائیں پشت پر آتے ہیں۔ والد ماجد کا انتقال جوانی میں ہوگیا تھا۔ مولانا کی عمر اس وقت ۷ برس تھی۔ اس لئے ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت اپنے جدِ بزرگوار حضرت مولانا سید محمد علی کانپوری ثم مونگیری سے راست پائی اور سندِ فراغت اور خلافت باطنی بھی انہی سے حاصل کی۔ اس تکمیل کے بعد مولانا حیدرآباد دکن تشریف لائے۔ اس وقت مولانا کے خسر مفتی عبد اللطیف علی گڈھیؒ یہاں جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ دینیات میں استاذ تھے۔ مولانا انہی کے ساتھ محلہ عثمان شاہی میں رہے۔ حیدرآباد آکر مدرسۂ نظامیہ سے "کامل" کی سند ایک ہی میں حاصل کرلی حالانکہ اکثر فضلاء دو دو اور تین مرتبہ میں پاس کرسکتے تھے۔ اس کے بعد مولانا جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ دینیات میں استاد مقرر ہوگئے۔ اور پھر درجہ بدرجہ ترقی کرکے صدر شعبہ کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔

مولانا سے میرے والد ماجدؒ کے تعلقات میں اپنے لڑکپن سے دیکھتا رہا، دونوں قریب قریب ہم عمر تھے۔ مگر مولانا والد صاحب کو "بھائی صاحب" سے مخاطب فرماتے اور والد صاحب ان کی علمی فضیلت اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے "مولانا" کے لفظ سے خطاب کرتے اور ادب سے پیش آتے تھے۔ ادھر میرے خسر مرحوم (مولانا محمد علی) سے مولانا کے بے تکلفانہ تعلقات تھے، دونوں عالم و فاضل اور ایک ہی شعبہ میں استاذ فقہ و حدیث تھے۔ مگر میرے خسر مولانا کو فنِ حدیث میں معلم العلماء کا درجہ دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ وہ طلبہ کے کام کے کم اور علماء کے مطلب کے زیادہ ہیں۔

حضرات گرامی مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ و مولانا عبد الباریؒ سے وہ عمر میں تقریباً دس برس چھوٹے تھے۔ مگر کثرت صوم، تکثیر نوافل اور ترک لایعنی مولانا کے مزاج کا خمیر تھا، اس لئے یہ دونوں اکابر ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

راقم عاجز کی محبت و عقیدت کا مرکز چونکہ حضرت گیلانی کی ذات گرامی تھی اس لئے جب تک حیدرآباد رہا

اور حیدر آباد میں ہم رہے نظر کو کسی اور سمت دیکھنے کی ضرورت کا احساس تک نہ تھا، بلکہ سقوط حیدر آباد کے بعد بھی جب کراچی آنا ہوا تو مراسلتی تعلق بھی بس حضرت گیلانی ہی سے رہا۔ ۱۹۶۵ء میں خوش بختی سے حج کی سعادت میسّر آئی تو مدینہ منورّہ میں میرے ایک محترم دوست نے بتایا کہ حضرت مولانا فضل اللہ صاحب ایک عرصہ تک حرمین شریفین میں رہ کر اپنے بڑے داماد سے ملنے ریاض گئے۔ وہاں مسجد کے قصد سے سڑک پار کر رہے تھے کہ ایک تیز رفتار موٹر کی ٹکر سے مولانا کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی، کچھ علاج ریاض کے ہسپتال میں ہوا اور ڈاکٹروں کے مشورہ سے اب انہیں پاکستان کراچی شہر میں پہنچا دیا گیا ہے، جہاں اُن کی بڑی صاحبزادی اور بچے رہتے ہیں۔ واپسی حج پر یہ خیال برابر رہا کہ کسی طرح مولانا کی خبر گیری کر سکوں، مگر پتہ نہ مل سکا۔ اور اس پر چند ماہ گذر گئے۔ یہاں تک کہ مولانا چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔

ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک طالب علم کے ساتھ غریب خانہ پر پہنچ گئے، معلوم ہوا کہ مخدومی حضرت مولانا بنوریؒ کے ہاں تشریف لے گئے تھے، ان سے میری بابت پوچھا تو جیسی ان کی نوازشیں اس ناچیز پر تھیں مولاناؒ نے فرمایا کہ "میں خود ساتھ چل کر آپ کو ان کے گھر پہنچا تا مگر اس وقت ضروری مصروفیت ہے۔ اس لئے سواری اور طالب علم کا انتظام کئے دیتا ہوں" ــــــ بہر حال حضرت سے مل کر جو مسرت ہوئی ہوئی۔

اب ربط بڑھتا گیا۔ قریب سے دیکھا تو اپنے رنگ میں منفرد نظر آئے، غرق توحید اور ساتھ ہی ساتھ عمل کی جزئیات میں اور ذوق و مشرب کے نکھار میں خالص سنّت نبوی کو قبول کئے ہوئے، ظاہر ثقہ مولویانہ اور باطن بالکل بے ہمہ و باخدا بات کرتے تو عام طور پر روزمرّہ زندگی کی یا پھر خالص علمی و درسی، صوفیانہ قیل وقال ان کی مجلس میں بالکل نہ ہوتا تھا۔ یوں بھی وہ زیادہ مجلسی نہ تھے، بلکہ خلوت پسند۔ ان کا زیادہ وقت دیکھا کہ اپنی تالیف انیف فضل اللہ الصمد فی شرح الادب المفرد کی طباعتی اغلاط کی تصیح اور اسکی نظر ثانی یا پھر اپنے خسر مولانا عبد اللطیف علی گڑھ کی (غیر مطبوعہ) شرح ترمذی کی ترتیب و تدوین میں گذرتا تھا۔ میرے غریب خانہ پر اکثر تشریف لاتے، اور گھنٹہ دو گھنٹہ ٹھہرتے، کچھ وقت والد صاحب قبلہ کے لئے رہتا اور بڑا حصّہ اس عاجز کے لئے۔ اس تنہائی میں البتہ طریقت و حقیقت کی کوئی بات پوچھی جاتی تو اسکا جواب نہایت تشفی بخش عطا فرماتے۔ اور کبھی کبھار اپنی طرف سے بھی رمز کشائی نہایت سیدھے سادھے لفظوں میں فرما دیتے تھے۔

اس سب کے باوجود یہ بات میرے حاشیۂ خیال میں بھی کبھی نہ آئی کہ مولانا سے باضابطہ اُن کے سلاسل نقشبندیہ و قادریہ میں اکتساب فیض کروں۔ مگر اس رزاق مطلق کی شان کے قربان وہ بے سان و گمان سمت سے عطا کرتا ہے۔ (ویرزقہ من حیث لایحتسب) اور اپنی اس تقسیم میں وہ خود مختار ہے ــــــ یہاں اعتراض کیا معنی استعجاب بھی نری نادانی ہی ہے ــــــ ہوا یہ کہ اتوار (۷، صفر ۱۳۹۱ھ) کو جو ان دنوں چھٹی کا دن

تھا۔ میں مولانا کو ان کے حسب ایماء اپنے گھر لایا۔ کچھ دیر لیٹے رہے، پھر اُٹھے، وضو کیا، تحیۃ الوضو پڑھ کر تلاوت کلام اللہ میں مشغول ہو گئے۔ میں اپنے کام میں لگ گیا، تلاوت سے فارغ ہو کر مجھے یاد فرمایا۔ حاضر ہُوا تو فرمانے لگے کہ وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھ لیجئے، جب تعمیل کر چکا تو میرا داہنا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیکر فرمایا کہ "میں نے آپ کو نقشبندیہ سلسلہ میں داخل کر کے اسکی اجازت دی، اب آپ کا خود نفع اسی میں ہے کہ آپ دوسروں کی اصلاح میں لگ جائیں، میری زندگی کا اب کوئی بھروسہ نہیں اس لئے میرا جی چاہتا تھا کہ آپ کو یہ کام سپرد کر دوں"

اس بے طلب عنایت کے بعد چار چھ دن کا وقفہ دے کر جب مولانا کی قیام گاہ پر حاضر ہُوا تو ایک عبا اور صدری حضرت نے عنایت فرمائی کہ یہ ہمارے بزرگوں کا دستور رہا ہے۔ پھر جب نومبر ۱۹۷۲ء میں ہندوستان روانہ ہونے لگے۔ اور آہ کہ پھر ملنا نصیب نہ ہُوا ـــــ تو یہ تحریری سند بھی عطا فرمائی:

باسمہ تعالیٰ شانہ

الحمد للہ الذی جعل الدین خدمۃ وجعلھم ورثۃ الانبیاء والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین ومصطفی الانبیاء سیدنا ومولانا محمد صاحب الشریعۃ الغرآء۔

اما بعد ـــــ فان اخی فی الدین الحاج الفاضل غلام محمد بن الشیخ غلام نبی سلمہ اللہ تعالیٰ قد اخذ حظاً وافراً من علوم الدین وصحب خیرۃ العلماء الذین کانوا لھم اسوۃ صالحۃ بررا اتقیاء ولما وجدتہ اھلاً للنصیحۃ وتربیت الصالحین فاجزتہ لہٗ لکل ما اخذت من جدی مولانا السید محمد علی رحمہ اللہ۔ موسس ندوۃ العلماء ـــــ بارک اللہ لہٗ خدمۃ الدین وتقبل اللہ منی ومنہ مجھودنا المبذول فی نشر الاسلام وایصالہ الی المسلمین وبقی اثارہ الی یوم الدین۔

واوصیہ بالتقوٰی فی السر والعلن وان یتحمل الاذی فی تربیۃ السالکین ویکون منبسطاً فی وجوہ الطالبین واللہ یعینہ فی کل ان وحین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

انا العبد الجانی فضل اللہ غفرلہ اللہ

۱۱ شوال المکرم ۱۳۹۲ھ (۱۸ نومبر ۱۹۷۲ء)

اس عطائے سند کے ساتھ دعائیں بھی دیں اور بشارتیں بھی سنائیں۔ والحمد للہ علی ذالک۔

بار الہا! استحقاق کچھ نہیں مگر اپنے مقبولوں کے طفیل معاملہ اُن کے حسن ظن ہی کے مطابق فرمانا۔

حضرت مولانا ۱۲ر نومبر ۱۹۷۲ء کو کراچی سے بمبئی روانہ ہوگئے اور وہاں سے علی گڑھ تشریف لے گئے جہاں حضرت کی دو صاحبزادیاں مقیم تھیں۔ دراصل حضرت کی اولاد نرینہ کوئی نہ تھی، اہلیہ محترمہ کا انتقال بھی جلد ہی ہو گیا تھا، اس لئے وہ اپنی صاحبزادیوں کو پدرانہ اور مادرانہ شفقت سے دیکھتے رہے۔ علی گڑھ پہنچ کر مولانا کی صحت گرتی ہی گئی، جب تک طاقت نے بالکل جواب ہی دے نہ دیا حضرت مولانا دو آدمیوں کے سہارے پاؤں گھسیٹ گھسیٹ کر برابر مسجد پہنچتے رہے، جماعت اور مسجد سے انہیں غیر معمولی محبت تھی، فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں تو بس نماز ہی میں سب سے زیادہ لذت ملتی ہے۔ مگر بالآخر اس نورانی شمع کی لَو دھیمی ہوتی ہوگئی۔ اور ۲۳ر مئی ۱۹۷۹ء کو یہ چراغ بجھ گیا۔ اناللہ۔ ورحمۃ اللہ علیہ۔

مولانا کا آبائی وطن سہارنپور تھا جب مولانا کے جد بزرگوار حضرت مولانا محمد علی اپنے شیخ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی قدس سرہ کے ارشاد پر مونگیر (بہار) منتقل ہوگئے تو مولانا بھی مونگیری تھے۔ مگر عمر کا اصل حصہ (تقریباً پچاس برس) حیدر آباد (دکن) میں گذرا۔ اس لئے وہ حیدر آبادی بن گئے تھے، مگر موت کا مقام علی گڑھ مقدر تھا حضرت نے اپنے آخری والانامہ میں اس عاجز کو لکھا تھا کہ یہاں میں بھی وطن سے دور ہوں اور آپ بھی مہاجر ہیں، کیا عجب کہ حق تعالیٰ ہم دونوں کو مہاجرت کی موت کا اجر عطا فرمائے۔

اب حضرت مولاناؒ کے چند ملفوظات جو یادداشتوں کی صورت میں محفوظ کر لئے گئے تھے، ناظر کے ذوقِ علم وعرفان کی ضیافت کے طور پر پیش ہیں۔

۱۔ علم تو غلامی چاہتا ہے، جو اس سے بے نیازی برتتے تو وہ بھی اس سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

۲۔ بقاء اہل دل علماء ہی کی خدمات کو حاصل ہوتی ہے۔ ائمہ فقہ صرف چار ہی نہیں ہوئے بلکہ کئی ہوئے ہیں۔ اور علمی اعتبار سے جلیل القدر بھی، مگر سوائے چار کے کسی کو دوام قبول نہیں ملا۔ امام اوزاعی کی فقہ مشکل سے ڈیڑھ صدی چل سکی، اسی طرح اور ائمہ کا حال رہا ــــ اور ان چار ائمہ میں بھی امام ابوحنیفہؒ کا درجہ باطنی اعتبار سے بہت بلند ہے۔ امام صاحب مسائل پر مذاکرہ فرماتے اور ساری مخالف موافق بحثیں سماعت فرماتے لیکن فیصلہ فوراً صادر نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ پھر تخلیہ میں دل کی روشنی میں ان پر نظر ڈالتے تب کہیں کسی جانب رائے قائم فرماتے تھے۔

۳۔ حدیث کی عظمت بہر طور ملحوظ رہنی چاہئے۔ یہ بڑے غضب کی بات ہے کہ جہاں صاف و صریح قومی حدیث موجود ہو تو اس سے صرف نظر کر کے محض حنفی مسلک کو ثابت کرنے کے لئے مرسلات اور کمتر

درجہ کی حدیثوں سے استدلال کیا جاتا ۔

۴۔ فقہاء میں اختلاف رائے ہے کہ جمعہ کے غسل کا جو وضو ہے، وہ غسل ہی کا ہے۔ یا نماز جمعہ کا۔ ہمارے دادا (حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ) دونوں قول کو عملاً یوں جمع فرماتے تھے کہ جمعہ کا غسل تاخیر سے فرماتے اور اسی وضو سے مسجد تشریف لے جاتے۔

۵۔ دادا رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی بسم اللہ پڑھانے کو کہتا تو وہ بسم اللہ اور اقرا کی ابتدائی آیتیں نہیں پڑھاتے تھے بلکہ حدیث شریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جسطرح منقول ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت پڑھاتے :

قل الحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ شریک من الذل وکبرہ تکبیرا ○

۶۔ میں نے الادب المفرد کو اس لئے منتخب کیا کہ اس میں سب ابواب اخلاق واصلاح معاشرت کے ہیں اور آج اسی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ پھر چونکہ اس میں عقائد کی بحثیں نہیں ہیں۔ اس لئے بلا امتیاز عقیدہ سب اسکی طرف متوجہ ہوں گے اور حدیث شریف کی برکت سے اتباع سنت کا ذوق بھی پیدا ہو جائیگا۔ اور بدعات چھوٹ جائیں گی۔

۷۔ قرآن پاک کے درس و تدریس سے باطنی نفع بہت ہوتا ہے اور قلب میں جلاء پیدا ہوتی ہے۔

۸۔ داداؒ کے ہاں پہلے حلقۂ توجہ کا اہتمام تھا، مگر آخر بیس پچیس برس میں ترک فرما دیا تھا۔ سب زوائد ترک کر دئے اور بس سنت ہی کے اعمال پر زور دیتے تھے، اور ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ جس چیز کو بزرگوں نے ایک ذریعہ اور معالجہ سمجھ کر برتا تھا۔ اسکو مقصد سمجھا جانے لگا تھا۔

۹۔ داداؒ کی مجلس بھی عجیب مجلس ہوتی تھی، بعض علماء حضرات بالکل خاموش بیٹھے رہتے اور چلے جاتے۔ انہی سے میں نے سنا کہ ہم نے یہ پوچھا تو حضرت نے اس کا یہ جواب دیا، وہ وہ سوال و جواب ہوتا تھا جسکو ہم نے حاضر باشی کے باوجود کے باوجود مجلس میں نہیں سنا۔

۱۰۔ حضرت شاہ فضل رحمنؒ فرماتے تھے، اب لطائف کی تفصیل میں پڑنے کی ضرورت نہیں، صرف لطیفۂ قلب کو مرکز توجہ رکھا جائے کیونکہ تمام لطائف اسی میں مندرج ہیں۔

۱۱۔ نہ معلوم لوگوں کا اس میں کیا خرچ ہوتا ہے اور کیوں اس کا اہتمام نہیں کرتے کہ ہاتھ کام میں رہے اور دل یاد الٰہی میں رہے۔

۱۲۔ اصل چیز ایمان پر خاتمہ ہے، اسکی بھی کیا فکر کہاں موت آئے۔

۱۳۔ ہمارے داداؒ کے پہلے شیخ قادریہ سلسلہ کے تھے، حضرت شاہ کرامت علیؒ وہ افغانی تھے۔ داداؒ کی عمر ۱۵، ۱۶ برس کی ہوگی کہ شاہ صاحب نے تین چار دن مسلسل داداؒ کے پیچھے نماز فجر پڑھی، اجنبی پاکر داداؒ نے ان سے پوچھا کہ حضرت آپ کون ہیں؟ شاہ صاحب نے جواب میں فرمایا کہ "مجھ سے پوچھتے ہو کہ میں کون ہوں؟ داداصاحبؒ پر ہیبت طاری ہوگئی۔ پھر شاہ صاحب نے فرمایا: "تیرے رب نے مجھ کو تیری ہدایت کے لئے یہاں بھیجا ہے۔" داداؒ پر گریہ طاری ہوا۔ اور بیعت کی درخواست پیش کر دی، شاہ صاحب نے فرمایا اس وقت نہیں، پھر دوسرے دن بیعت فرمالیا۔ دس مہینے بعد شاہ صاحب نے قادریہ سلسلہ میں خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اور اس کے چند روز بعد وصال فرماگئے ـــــ اس کے بعد دادا صاحب نے حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے اخذ بیعت کی اور خلافت پائی۔

۱۴۔ ہمارے داداؒ کا نام سن کر جن بھاگ جایا کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ جن بات کیسے مان لیتے ہیں۔؟ تو فرمایا کہ یہ درود شریف پڑھو تو جن بات کا انکار نہ کرے گا۔

اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد وعلیٰ اٰل محمد وعلیٰ مومن الجنّ۔

۱۵۔ راقم الحروف نے حضرت مولانا فضل اللہؒ سے عرض کیا کہ حضرت مجھے کراچی کے فلاں بزرگ سے محبت تو ہے مگر عقیدت ومناسبت بالکل نہیں، اس لئے میں وہاں نہیں بیٹھتا۔ فرمایا جس نے علماء کی صحبت پائی ہو اس کا دل غیر عالم کے پاس لگ ہی نہیں سکتا۔ اور آپ نے اپنے وقت کے بے مثال جامع عالم کی صحبت حاصل رہی ہے، حضرت سیّد صاحب بحرالعلوم تھے۔ سمندر کے پاس بیٹھنے والے کا دل دوسری جگہ کیسے لگ سکتا ہے، حضرت سیّد صاحب تو ایک بحر ناپیدا کنار تھے۔ کسی علم میں بھی ان سے بات کی جائے کچھ حاصل ہو ہی جاتا تھا۔

۱۶۔ میرا لڑکپن تھا اور حضرت سید صاحبؒ (مولانا سید سلیمان ندویؒ) جوان تھے، اس وقت بڑے پتہ کی بات مجھ سے فرمائی تھی کہ: "امام ابو حنیفہؒ کی عظمت مسلم مگر انوار نبوت کو حنفیت میں مقید تو نہیں کیا جا سکتا۔" ـــــ مجھے اس وقت تو اس ارشاد کی قدر نہ ہوئی مگر جب حدیث سے شغف بڑھا تب اس قول کی قدر و منزلت سمجھ میں آئی۔

۱۷۔ مولانا عبدالباری ندویؒ کا رنگ پہلے کچھ اور تھا۔ مگر جب حضرت تھانویؒ سے رجوع کیا تو اس رنگ میں درجۂ کمال کو پہنچ گئے۔ مولانا کی تصانیف انشاءاللہ قیامت تک باقی رہیں گی۔

۱۸۔ ـــــ صاحب نے مجھ سے وحدت الوجود کے مسئلہ کی تفہیم چاہی۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ قیل وقال سے کچھ حاصل نہ ہوگا، اگر آپ ایک ہفتہ میرے لئے فارغ کرلیں تو انشاءاللہ میں اسکو حالاً سمجھا دوں گا ـــ مگر

افسوس انہوں نے وقت نہ نکالا۔ میں تو سمجھا تھا کہ شاید وہ واقعتہً سمجھانا چاہتے ہیں۔

۱۹۔ مراقبہ آسان کام نہیں، اس کے لئے قوی انسان چاہئے۔ صحیح مراقبہ کا اثر اتنا شدید ہوتا ہے کہ جسم مشکل سے برداشت کر سکتا ہے۔

۲۰۔ آجکل کے دور میں ایمان اور کچھ اعمال صالحہ کی توفیق مل جانا ہی بہت بڑی بات ہے۔

۲۱۔ اس دور کے مصائب و آلام میں میں نے اس مراقبہ کو بے حد مفید پایا کہ :

"اللہ تعالیٰ مجھ کو پیار کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔"

اس سے قلب کو بڑی سکینت اور انشراح میسر آتا ہے۔

۲۲۔ حضرت مولانا محمد حسین صاحب[1] (چشتی۔ حیدر آبادی) کی صحبت سے مجھ کو توحید میں بڑا نفع حاصل ہوا، حضرت نے مجھے خلافت بھی اپنے سلسلہ میں عطا فرمائی اور وصیت فرمائی کہ ان کی نماز جنازہ میں پڑھاؤں چنانچہ میں نے ہی حضرت کی نماز جنازہ پڑھائی۔

یہ ملفوظات اپنے ذخیرۂ محفوظ کا تقریباً آدھا حصہ ہے۔ بقیہ حصہ مجلس خاص میں تو پیش ہو سکتا ہے ۔۔ مگر وقف عام نہیں کیا جا سکتا۔

■■

---

[1] جن کے خلفاء میں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی اور حضرت ڈاکٹر میر ولی الدین رحمہا اللہ سے علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ زیادہ متعارف ہے۔

جدید زبانوں سے عربی ماخذ

جناب مضطر عباسی ایم۔اے۔ (مری)

سورج ــــ انگریزی میں SON کے معنی ہیں بیٹا اور SUN کے معنی ہیں سورج۔ املا دونوں کی الگ الگ ہے لیکن تلفظ ایک ہے۔ جرمن میں سورج کو SONNE۔ ڈچ میں ZON۔ اسپرانتو میں SUNO۔ رُوسی میں SONTSE۔ یہودی میں SUN۔ اینگلو سیکسن میں SUNNE۔ گوتھک میں SUNNA اور SUNNO اور جرمن زبان کی ایک شاخ جسے لوجرمن کہتے ہیں اس میں سورج کو SUNNE کہتے ہیں۔ یورپ والوں کا بیان ہے کہ سورج کے معنوں میں یہ تمام کلمات گوتھک زبان کے کلمہ SUNNA سے ماخوذ ہیں۔

اس لفظ یعنی SUNNA کے معنی ہیں چمکنا۔ تاباں۔ چونکہ سورج زمین سے نظر آنے والے سیاروں اور ستاروں میں سب سے زیادہ چمکدار اور روشن ہے اس لیے اسے SUNNA سے ماخوذ کلمات SUN وغیرہ کہا گیا ہے۔

افسوس! اہل یورپ نے عربی کے لفظ سَنَاء پر نظر نہیں ڈالی۔ عربی میں سناء کے معنی ہیں چمک۔ دانت کو چمک کی وجہ سے عربی میں سن کہا جاتا ہے اور گو سورج کے لیے عربی میں "سن" کا لفظ براہ راست استعمال نہیں ہوا لیکن سورج کے گرد زمین کی گردش کی مدت یعنی سال کو عربی میں سن بھی کہا گیا ہے۔

چھری، چاقو یا تلوار کو رگڑ کر تیز کیا جاتا ہے تو اس میں تیزی کے ساتھ چمک بھی پیدا ہو جاتی ہے اس لیے عربی میں "سن" کے معنی چھری وغیرہ کے تیز کرنے کے بھی ہیں اور سان یا "سان پر چڑھانا" کے کلمات بھی ماخذ بھی عربی لفظ "سن" ہے۔ اور عبرانی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔

تشریحات

۱۔ GOTHIC (گوتھک) زبان سے مراد GOTH (گوتھ) قوم کی زبان ہے۔ یہ لفظ انگریزی زبان کا قدیم ماخذ ہے۔

۲۔ یہودی زبان سے مراد یہودیوں کی مذہبی زبان عبرانی نہیں بلکہ اس سے یورپ میں بولی جانے والی وہ زبان مراد ہے جسے جرمنی کے مہاجر یہودی بولتے ہیں۔ یہ زبان جرمنی کے شمال کے علاقوں میں یہودی بولتے تھے یا بولتے ہیں۔ اسے (YIDDISH) یعنی یہودی کہا جاتا ہے یہ زبان عبرانی اور جرمن زبانوں سے مرکب ہے۔

۳۔ اسپرانتو۔ دُنیا کی واحد اور کامیاب ترین مصنوعی زبان ہے۔ یہ زبان جاپان، کوریا، چین، مشرقی اور مغربی یورپ یعنی روس، پولینڈ، ہالینڈ، اٹلی، فرانس، جرمنی، انگلینڈ، نیز شمالی اور

جنوبی امریکہ کے درجنوں ممالک کے علمی حلقوں کی زبان ہے۔ لوگ نہایت شوق اور دلچسپی سے یہ زبان سیکھتے ہیں۔ سیاحت اور تبلیغ میں یہ زبان نہایت مفید ثابت ہو رہی ہے۔ یہ زبان سیکھ کر انسان یورپ کی زبانوں کا مزاج شناس ہو جاتا ہے۔

جدید زبانوں سے تعارف کا بہترین ذریعہ اسپرانتو ہے۔ عربی مدارس کے طلباء جن پر یورپ اور خاص کر جدید زبانوں سے ناواقفیت کا الزام ہے چند ہفتوں میں یہ زبان سیکھ کر معترضین کا منہ بند کر سکتے ہیں۔ اردو کے ذریعے اسپرانتو سیکھنے کے لیے راقم نے "اسپرانتو اردو ریڈر" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو "مکتبہ القریش چوک اردو بازار لاہور" سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

۴۔ سیربوکروٹ (SERBOCROAT) یہ زبان یوگوسلاویہ میں بولی جانی والی زبانوں میں سب سے زیادہ مقبول اور عام زبان ہے۔ اس نسبت سے اسے یوگوسلاویہ کی زبان کہا جا سکتا ہے۔ یہ زبان روسی اور رومی دونوں حروف میں لکھی جاتی ہے۔ یہ صوتی اعتبار سے نہایت سادہ زبان ہے۔ یعنی املا اور تلفظ میں پوری طرح مطابقت پائی جاتی ہے اس کے سیکھ لینے کے بعد روسی زبان نسبتاً آسان ہو جاتی ہے۔

۵۔ اینگلو ساکن (ANGLO SOXON) سے مراد ایک قدیم یورپ کی زبان ہے جسے جرمن اور انگریز بولا کرتے تھے۔ یہ زبان جدید انگریزی اور جدید جرمن زبانوں کا ماخذ ہے۔

تندرستی ـــــ خون کی نسبت سے صحت کی بات شروع کی گئی تھی۔ صحت (SANO) کی صوتی مماثلت سے SON (بیٹا) اور اس سے ہم آہنگی کے پیش نظر SUN (سورج) کے کلمات زیر بحث آتے چلے گئے۔ صحت یا تندرستی کے لیے لاطینی کے کلمہ SANUS سے یورپ کی متعدد زبانوں نے کلمات اخذ کئے ہیں۔ علاوہ ازیں انگریزی میں صحت اور تندرستی کے لیے HEALTH کا لفظ ہے جو سویڈش میں HALSA اور ناروے کی زبان میں HELSE ۔ ان کلمات کا ماخذ انگریزی زبان کا لفظ HEAL ہے جس کے معنی ہیں تندرست ہونا ۔ زخم کا بھر جانا ۔ یہ لفظ جرمن میں HEILEN ۔ اینگلو ساکن میں HEALEN ہے۔ انگریزی میں HALE کے معنی ہیں توانا ۔ یہ لفظ آئس لینڈ کی زبان میں HEILL ۔ ڈنمارک کی زبان میں HEEL ۔ گوتھک میں HAILS اور اینگلو ساکسن میں HAL ہے ۔ انگریزی زبان میں HAIL کے معنی ہیں کسی کو خوش آمدید کہنا ۔ مبارک ، مرحبا ، آفرین ۔ ڈینش میں اس مفہوم کے لیے HEEL اور آئس لینڈ کی زبان میں HEILL کے کلمات ہیں۔

مکمل ــــــ انگریزی میں - WHOL - کے معنی ہیں مکمل - پورا - تمام - قدیم انگریزی میں یہ لفظ HOLE اور H.OOL - اینگلوساکسن میں HAL ہے اور ڈچ میں HEEL ہے۔ گویا صحت اور توانائی اور مکمل یا پورا اور تمام کا مفہوم ایک ہی ماخذ سے لیا گیا ہے۔ ان کلمات کا باہمی ربط اور تعلق کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ صحت اور تندرستی نام ہی توانا اور مکمل یا پورا ہونے کا ہے - جسمانی اعتبار سے جو مکمل اور پورا ہے وہ صحت مند اور تندرست ہے۔ اور روحانی اور اخلاقی اعتبار سے جو پورا اور مکمل ہے وہ مقدس اور پاکباز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی میں مقدس کو HOLY اور جرمن میں HEILIG کہتے ہیں -

تندرستی اور مکمل کے عنوانات کے تحت بیان کئے گئے مذکورہ بالا تمام کلمات کا ماخذ اہلِ یورپ کی تحقیق کی رُو سے قدیم انگریزی کا لفظ HOOL ہے جس کے معنی ہیں طاقت - یا طاقت پانا - توانائی حاصل کرنا - تندرست ہونا - عربی میں حَیلٌ کے معنی طاقت اور قوت کے ہیں -

مقدّس ــــــ مقدّس اور پاک باز کے لیے مکمل کے عنوان کے تحت HOLY اور HIELIG کے کلمات کا ذکر آیا ہے جن کا ماخذ قدیم انگریزی میں HOOL اور عربی میں حیلٌ ہے۔ علاوہ ازیں فرانسیسی زبان میں مقدس اور پاک باز کے لیے SAINT اور ہسپانوی ، پرتگالی اور اطالوی زبانوں میں SANTO کا لفظ ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں معصوم عن ــــ الخطا ، جو عربی میں صون اور صان سے ماخوذ ہے -

وہی صان جو یورپ میں SANO ہے تو صحت اور SANTO ہے تو روحانی صحت یعنی پاکبازی۔ انگریزی میں مقدس ولی کو SAINT اور اسپرانتو میں SANKTO کہتے ہیں - رہا SENATE جس کے معنی ہیں مجلسِ شرفاء - سو اسے بھی SAINT بمعنی مقدّس کا ہم ماخذ قرار دیا گیا ہے۔ جس کا عربی ماخذ "صان" اور "صون" ہے -
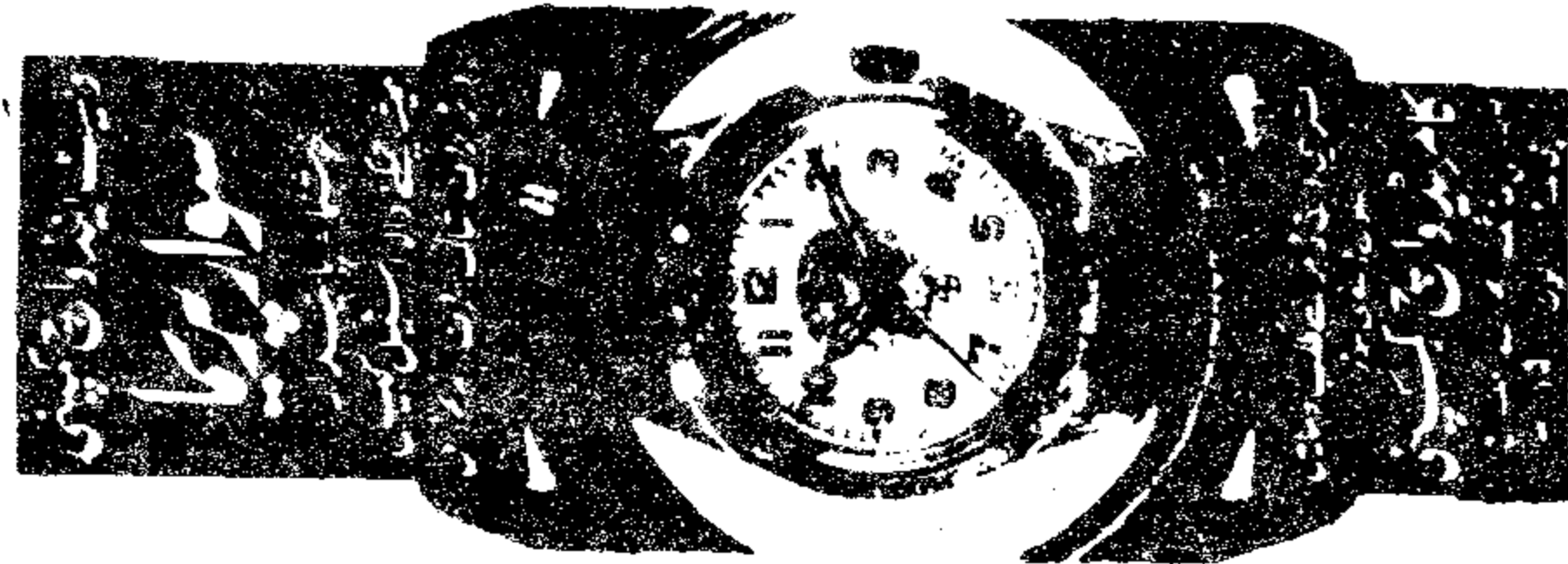
دارالعلوم حقانیہ کے شب و روز

شفیق فاروقی

۱۷ر دسمبر ـــ مولانا سمیع الحق صاحب مدیر الحق نے قومی کمیٹی برائے مدارس عربیہ کے دیگر ارکان کے ساتھ ایوانِ صدر اسلام آباد میں ملاقات کی کمیٹی نے اپنی رپورٹ صدرِ مملکت کو پیش کی یہ ملاقات تقریباً دو گھنٹے جاری رہی اس ملاقات میں مولانا نے صدرِ محترم کو مؤتمر المصنفین کی مطبوعات کا سیٹ بھی پیش کیا۔ رات کو کمیٹی کے ارکان کے اعزاز میں وفاقی وزیر داخلہ و مذہبی امور جنیب اے ہارون صاحب نے عشائیہ دیا جس میں مولانا نے بھی شرکت کی۔

۱۸ر دسمبر ـــ جناب ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا صاحب ڈائریکٹر ادارۂ تحقیقات اسلامیہ اسلام آباد کی دعوت پر جناب مدیر صاحب ادارہ گئے، ڈائریکٹر صاحب نے دیگر شعبوں کے علاوہ ادارہ کا پرنٹنگ پریس جو جدید ترین مشینوں اور وسائل پر مشتمل ہے، اور دیگر طباعتی نظام کا معائنہ بھی کرایا۔ آخر میں جناب ڈائریکٹر صاحب موصوف نے مولانا کی خدمت میں دارالعلوم حقانیہ کے کتب خانہ کے لئے ادارۂ تحقیقات کی مطبوعات تصانیف و مجلّات کا مکمل سیٹ پیش کیا جس پر پورا دارالعلوم ادارہ کا ممنون ہے۔

۱۹ر دسمبر ـــ دارالعلوم حقانیہ کے ایک فارغ التحصیل مولوی محمد گل افغانستانی کی دستار بندی اساتذہ نے فرمائی۔

۲۲ر دسمبر ـــ دارالعلوم حقانیہ کے سہ ماہی امتحانات شروع ہوگئے، یہ تحریری اور تقریری امتحانات ایک ہفتہ تک جاری رہیں گے۔

۲۰ر دسمبر ـــ دارالعلوم کی شاندار جامع مسجد کی تزئین، رنگ روغن اور سفیدی کا کام شعبۂ تعمیرات کے ماتحت جاری ہے۔ جس پر تقریباً ۵ ہزار روپے لاگت آئے گی۔

۲۰ر دسمبر ـــ کراچی کے دو ممتاز اشاعتی اداروں ادارۂ تحقیقات ونشریات اسلام ـــ اور ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی نے دارالعلوم کے مستحق طلبہ میں تقسیم کے لئے وسیع مطبوعات کا ذخیرہ بھیجا جسے دورۂ حدیث شریف اور موقوف علیہ دورہ کی کلاسوں میں تقسیم کیا۔ دارالعلوم اس علم پروری پر دونوں اداروں کا شکرگذار ہے۔

≡

شارٹ کوٹیشن نوٹس

دو عدد بوائلروں کو آئل فائر سے گیس فائر میں تبدیل کرنے کیلئے اچھی شہرت رکھنے والی فرموں سے کوٹیشن مطلوب ہیں۔ بوائلروں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ دو عدد بوائلر نمبر — G. KIROV "BOILER" PKM-4 MUZ BURING FLUE PLAN SOFIA

۲۔ ہیٹنگ سرفس — 135 SQ. CM EACH.

۳۔ ریٹڈ پریشر — 13 kg / sq. CM EACH.

۴۔ پرمزبل پریشر — 13 kg / sq. CM EACH.

۵۔ ٹیسٹ پریشر — 16.5 kg / sq CM EACH.

۶۔ کیپیسٹی (حجم) — 4 TON / HOURS (194 C°) 467 OF EACH.

بشمول برنرز کے تمام سامان ٹھیکیدار سپلائی کریں گے۔ مزید تفصیلات معلوم کرنے کیلئے اوقاتِ کار کے دوران جگہ پر تشریف لائیں۔ کوٹیشن وصول ہونے کی آخری تاریخ ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء قبل دوپہر ہے۔ اتھارٹی تمام یا کسی ایک کوٹیشن کو بغیر وجہ بتائے مسترد کرنے کا حق رکھتی ہے۔
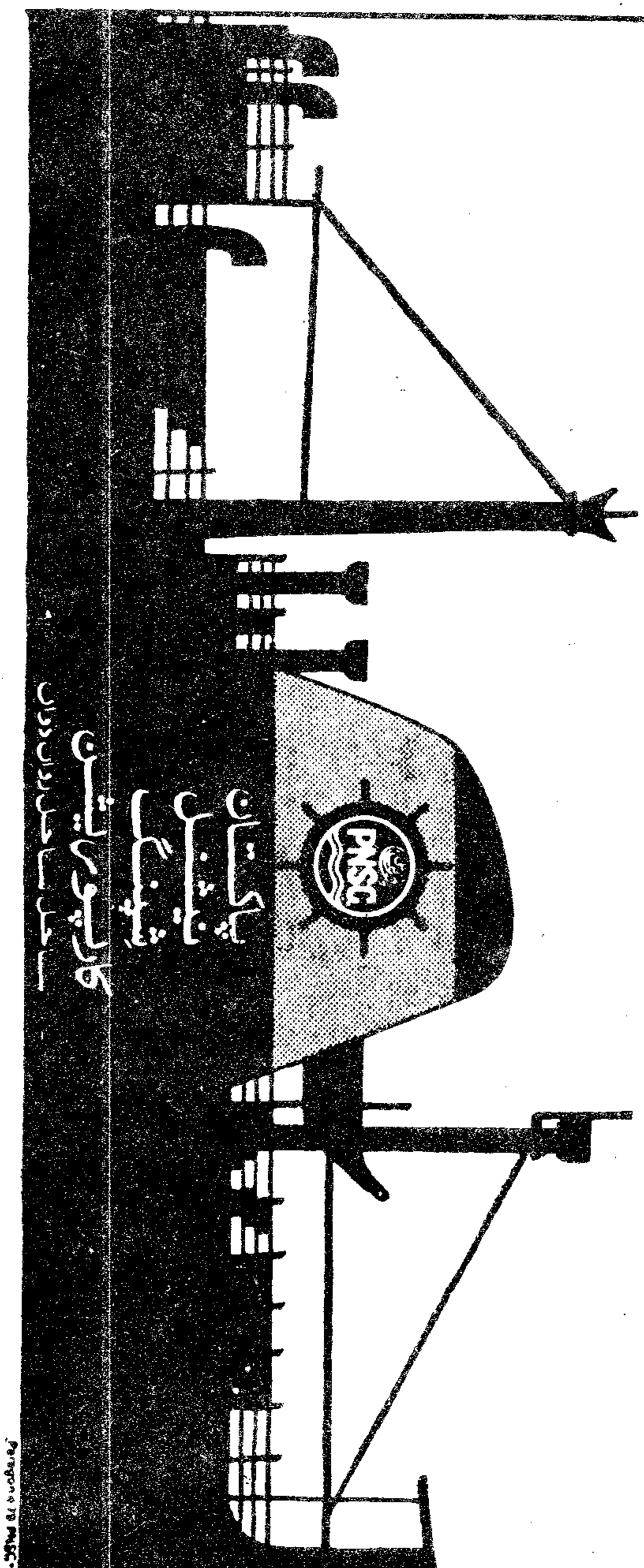
پروجیکٹ مینجر۔ لیدر ٹینری سرحد ڈیولپمنٹ اتھارٹی

۶۰۔ کلب روڈ نوشہرہ

INF (P) 2884

پی این ایس سی
وسیع تر وسائل عظیم تر صلاحیتیں
اور خدمت کا
ایک نیا ولولہ
قومی جہاز رانی میں ایک نئے دور کا آغاز!
نیشنل شپنگ کارپوریشن اور پاکستان شپنگ کارپوریشن کا تاریخی ضم نیا نام،
پی این ایس سی ـــــ پاکستان نیشنل شپنگ کارپوریشن
اب ایک وسیع تر بحری بیڑے اور کارکردگی کی زائد صلاحیتوں کے ساتھ
بہتر طور پر آراستہ ہو کر قومی جہاز رانی کی ضروریات کی تکمیل کرے گی۔
PNSC
پاکستان
نیشنل
شپنگ
کارپوریشن
ساحل تا ساحل رواں دواں
Paragon 78 PNSC

محنت کی عظمت کا نشان
افتخارِ پاکستان

پاکستان کی اقتصادی خوشحالی کا انحصار ایسے اداروں پر ہے
جو خود کفیل بھی ہوں اور ٹیکس ادا کرنے والوں یا قومی خزانے پر بوجھ نہ ہوں
اور اپنے مصارف اپنی آمدنی سے پورے کرتے ہوں۔
پی آئی اے یقیناً ایسا ہی ایک ادارہ ہے۔
بین الاقوامی سطح پر کامیابی کی بدولت آج ہم اس قابل ہیں
کہ اپنا منافع قومی ترقی کے لئے وقف کر دیں اور ہمارا دائرۂ پرواز
ملک کے دور افتادہ علاقوں تک پھیل جائے۔ آج ہمارا
شمار ان گنی چنی فضائی کمپنیوں میں ہوتا ہے جو اپنی اندرونِ
ملک پروازوں کے لئے بھی جمبو طیارے
استعمال کر رہی ہیں۔
علاوہ ازیں ہم اپنے ہم وطنوں کو ملازمت کے بہترین
مواقع بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ قومی زندگی کے مختلف
شعبوں تجارت، سیاحت، ثقافت اور کھیل میں
اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔

نہ صرف یہ کہ ہماری کاوشیں ملک کے لئے
نیک نامی کا باعث ہیں بلکہ ہم کثیر زرِ مبادلہ کے حصول میں
نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔ ہم نہ صرف دیگر فضائی کمپنیوں
کو انتظامی، تربیتی، اور فنی سہولتیں مہیا کر رہے ہیں
بلکہ پی آئی اے کے بین الاقوامی ہوٹلوں کے قیام کے لئے
سرمایہ کاری بھی کرتے ہیں۔
بین الاقوامی منڈی میں ہماری ساکھ اس قدر مستحکم
ہو چکی ہے کہ ہم نے اپنے ہی وسائل سے بوئنگ ۷۴۷
جیسے دیو قامت طیارے خریدے ہیں۔ غرض ہماری
انتھک جدوجہد، پیشہ ورانہ مہارت اور اعلیٰ
کارکردگی پاکستان کا بول بالا کر رہی ہے۔
یہ کامیابیاں آپ کی نیک تمناؤں اور
تعاون کے بغیر ممکن نہ تھیں بالفاظ دیگر
پی آئی اے کی کامرانی، پاکستانی عوام کی کامرانی ہے۔

PIA پی آئی اے
پاکستان انٹرنیشنل
باکمال لوگ۔ لاجواب پرواز

IAL-IPP-40-79